کا اندازہ ہو سکے، جمع کی گئی ہیں، ہر شاعر کے کلام کے انتخاب سے پہلے اس کا مختصر تعارف اور اسکے کلام کے متعلق ناقدین کی رائیں نقل کی گئی ہیں، کتاب کے آغاز میں تغزل کی حقیقت و اہمیت اور اسکی خصوصیات پر مختصر تبصرہ ہے، فرد اشعار کا انتخاب تو بہت آسان ہے لیکن دس دس منتخب پوری پوری غزلیں مشکل سے کسی شاعر کے کلام میں نکل سکتی ہیں، یہی دشواری مرتب کو بھی پیش آئی ہے، تاہم انھوں نے "نسبتۃً اچھی" غزلوں کا انتخاب کیا ہے، اقبال کا شمار غزل گو شعرا میں نہیں ہے، لیکن اس حیثیت سے انکا انتخاب نامناسب بھی نہیں ہے، کہ وہ ایک نئے طرز تغزل کے بانی تھے، یہ انتخاب مجموعی حیثیت سے دلچسپ ہے،

حکمت قرآن ۔ مترجمہ جناب صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم، تقطیع بڑی، ضخامت ۸۰ صفحات، کاغذ عمدہ، خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت تحریر نہیں، پتہ: مجلس ترقی ادب، نرسنگھ داس کارڈن، کلب روڈ، لاہور۔

زمانۂ حال کے ایک ترک اہل قلم جنرل محمود مختار مرحوم نے حکمت قرآن کے نام سے اسلام کے قرآنی عقائد و تصورات خصوصاً اسکی دینی، اخلاقی اور معاشی تعلیمات پر فرنچ زبان میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی، جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام فکری اور عملی دونوں حیثیتوں سے دنیا، انسانیت کیلئے ایسا صحیح اور صحت مند لائحہ عمل ہے جس کا جواب ابتک دنیا نہ پیش کر سکی، مذکورۂ بالا رسالہ اسی کے مقدمہ کا ترجمہ ہے، مقدمہ اصل کتاب کا محض مختصر تعارف ہوتا ہے، اس لیے اس مقدمہ میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد، عبادات اور اخلاقیات پر اختصار کے ساتھ مگر بڑے دلنشین اور فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، مصنف جدید تعلیم یافتہ اور کمالی دور کے مصنف ہیں، اسلئے ان کے خیالات میں کہیں کہیں تجدد کی جھلک ہے جس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، بعض واقعات بھی انھوں نے صحیح نہیں لکھے ہیں، مگر انکا نقطۂ نظر، انداز فکر، اور طریقۂ تعبیر بڑی حد تک صحیح اور نئے مذاق کے لیے خاص طور سے قابل قبول اور دلنشین ہے، اس لیے یہ رسالہ اختصار کے باوجود بہت مفید ہے۔

"م"

جلد ۷۸ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۶ء جلد ۵

فہرست مضامین

شذرات

انگریزوں نے مصر پر ناگہانی حملہ اور بے دریغ بمباری کر کے جس وحشت، بربریت اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے، اس کی مثال اس جمہوریت اور آزادی کے دور میں نہیں مل سکتی، اس حملہ نے تہذیب، انسانیت اور جمہوریت کے تمام تقاضوں اور مجلس اقوام متحدہ کے اصولوں کو پامال کر ڈالا، فرانس اور برطانیہ جیسی قوتوں اور مصر کا مقابلہ ہی کیا اس کے باوجود مصر نے جس بہادری سے مدافعت کی ہے وہ حیرت انگیز ہے، ان سطور کی تحریر کے وقت جنگ بندی کا اعلان ہو چکا ہے، مگر اس حملہ نے صورت حال ایسی نازک اور پیچیدہ کر دی ہے کہ اسکا آسانی سے سلجھنا دشوار ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے آخری نتائج کیا ہوں گے، مگر اب پرانی سامراجی سیاست کا زمانہ ختم ہو چکا، کوئی آزاد ملک کسی بیرونی اقتدار کو قبول نہیں کر سکتا، اس لیے مصر کو اس جنگ میں جس قدر نقصان بھی پہنچا ہو، مگر اس پر انگریزوں کا اقتدار کسی حال میں بھی قائم نہیں ہو سکتا، یہ ممکن ہے کہ جھگڑے کو چکانے کے لیے نہر سویز کا کوئی نیا نظام قائم ہو جائے،

اس وحشیانہ حملہ کی ساری دنیا مذمت کر رہی ہے حتیٰ کہ امریکہ تک ناپسندیدگی ظاہر کرنے پر مجبور ہو گیا خود برطانیہ کے حزب مخالف اور اس کے عوام نے جیسی شدید مخالفت کی، اس کی مثال اس کی تاریخ میں نہیں ملتی، اس حملہ سے ایشیا اور افریقہ دونوں میں انگریزوں کا اعتبار اٹھ گیا، اگر اس کا فیصلہ منصفانہ نہ ہوا تو پورے مغربی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے روسی بلاک میں شامل ہو جانے کا خطرہ ہے اور انگریزوں کو ہمیشہ کے لیے ان سے ہاتھ دھونا پڑیگا، اسرائیل جو امریکہ اور برطانیہ کے سہارے زندہ ہے، اس کا انجام اور بھی برا ہوگا، اس طرح ایڈن کی رعونت کا خمیازہ حکومت برطانیہ کو پوری طرح بھگتنا پڑے گا۔

یہ حملہ اس کا ثبوت ہے کہ یورپ کی بڑی طاقتوں کی پرانی سیاست ابتک نہیں بدلی ہے، اور جہاں انکو موقع ملتا ہے وہ اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہو جاتی ہیں، اس سے مجلس اقوام کی حیثیت اور بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں اس کی بے بسی بھی ظاہر ہو گئی، اگر اس قسم کی جسارت کسی مشرقی ملک نے کی ہوتی تو اس کا حشر خدا معلوم کیا ہوتا، حقیقت یہ ہے کہ جب تک خود ایشیائی حکومتیں طاقتور نہ بنیں گی اور ان میں اتحاد نہ پیدا ہوگا اس وقت تک اسی قسم کے تماشے ہوتے رہیں گے اور مجلس اقوام متحدہ بھی ان کے کام نہ آسکے گی، یہ ان حکومتوں کے امتحان کا پہلا اور بڑا اہم موقع

ہے، اگر اس وقت انھوں نے کمزوری دکھائی یا ذاتی مصالح کو پیش نظر رکھا تو ایشیا کی آزادی اور اسکے اتحاد کا خواب پریشان ہو جائے گا، یہ تنہا مصر کا نہیں بلکہ پورے ایشیا کی عزت کا سوال ہے، اسلئے تمام ایشیائی حکومتوں کو مل کر برطانیہ کو مصر اور نہر سویز چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہیے، ورنہ اس سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں، اور جو حکومتیں دولت مشترکہ معاہدہ بغداد اور سیٹو میں شامل ہیں ان سے ان کو الگ ہو جانا چاہیے، ورنہ آج مصر کے ساتھ جو کچھ پیش آرہا ہے، کل دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی پیش آئے گا، اگر اس وقت پورا ایشیا متحد ہو جائے تو یورپ کی کوئی قوت اس کی آواز کو نظر انداز نہیں کر سکتی، ہندوستان کے مسلمانوں کے تو بہت کچھ فرائض تھے، لیکن وہ خود اپنے حال میں مبتلا ہیں، مگر اتنا تو وہ آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں کہ انگریزی مال کا سختی سے بائیکاٹ کریں،

اس مہینہ دنیا کی قدیم ترین سلطنت حبشہ کے فرمانروا ہیل سلاسی ہندوستان تشریف لائے ہیں، ہندوستان اور حبشہ کے درمیان بڑا پرانا تجارتی تعلق رہ چکا ہے، اور مسلمانوں کو تو اس ملک سے خاص تعلق ہے، ان کے پہلے ستم رسیدہ قافلے نے حبشہ ہی ہجرت کی تھی اور اس زمانہ کے شاہ حبش اصحمہ الملقب بہ نجاشی نے جو سچا عیسائی اور بڑا دیندار فرمانروا تھا، ان کو پناہ دی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر شرف باسلام بھی ہو گیا تھا، اور آپ کی خدمت میں ایک سفارت بھی بھیجی تھی، جو سمندر کی طغیانی کی وجہ سے راستہ میں ہلاک ہو گئی، اصحمہ یا اس کے جانشین کی موت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی، مسلمانوں نے شاہ حبش کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھا، اور اس زمانہ میں جبکہ ان کی فتوحات کا سیلاب افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصہ میں پھیل گیا تھا، حبشہ کو انھوں نے ہاتھ نہیں لگایا، اور اس کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ تعلقات رکھے، موجودہ شاہ حبش اسی حکومت کی یادگار ہیں، اس لیے مسلمان ان کا دہرا خیر مقدم کرتے ہیں،

گذشتہ مہینہ دار المصنفین کی مجلس انتظامیہ اور مجلس عاملہ کے جلسے ہوئے، ان میں ان دونوں کے محترم صدر ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر حکومت ہند اور مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی اور بیرونی ارکان میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور ڈاکٹر حفیظ سید نے شرکت کی، اس تقریب سے دار المصنفین میں دو دن بڑی چہل پہل رہی، ڈاکٹر محمود صاحب نے شبلی کالج میں بھی تقریر فرمائی تھی،

ان صفحات میں بارہا لکھا جا چکا ہے کہ دار المصنفین کی آمدنی کا بڑا ذریعہ اس کی تجارت ہے، اسکے علاوہ حیدر آباد اور بھوپال کی ریاستوں سے امداد ملتی تھی، مگر ادھر کئی سال سے یہ دونوں امداد گیں

بند ہو گئی ہیں، اور پاکستان کی تجارتی بندشوں کی وجہ سے تجارت کی آمدنی بھی بہت گھٹ گئی ہے اس لیے کسی دوسری آمدنی کے بغیر اس کا چلانا ناممکن ہے، درمیان میں حکومت ہند کی ساٹھ ہزار کی امداد سے آمدنی کی کمی کی تلافی ہو گئی تھی، مگر اب پھر وہی صورت حال ہے، مجلس انتظامیہ نے اس مسئلہ پر بھی غور کیا مگر اس کا کوئی اطمینان بخش حل نہیں نکل سکا، تاہم کوشش جاری ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

آیندہ مہینہ ایشیا کے ادیبوں کی کانفرنس دہلی میں ہو رہی ہے، جس میں تمام ایشیائی ملکوں کے نمایندے شریک ہوں گے، اس کانفرنس میں ایشیائی زبانوں، ان کے ادیبوں اور ان کے باہمی ربط و تعلق کے مسائل پر بحث ہوگی، اس سلسلہ میں ہندوستانی زبانوں خصوصاً اردو کے ادیبوں کو اپنا فرض ادا کرنا ہے، اور اردو زبان کی اہمیت، اس کی آفاقی، لسانی اور تہذیبی حیثیت کو پوری طرح دکھانا ہے، ہندوستان کی تمام زبانوں میں اردو ہی ایسی زبان ہے جس نے نہ صرف ہندوستانی بلکہ ان بیرونی زبانوں کے لسانی اور تہذیبی عناصر کو بھی اپنے اندر سمو یا ہے، جو ہندوستان میں رائج رہ چکی ہیں، اس لیے وہ ہندوستان کے باہر بھی اجنبی نہیں ہے، اس خصوصیت میں ہندوستان کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور وہ بجا طور پر پورے ہندوستان کے کلچر کی ترجمانی کا دعویٰ کر سکتی ہے،

گذشتہ ستمبر میں ہمارے رفیق سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب نے حکومت ہند کے ثقافتی تعلقات کے ادارہ کی دعوت پر "ہندوستان میں فارسی زبان اور اس کا نشو و نما" کے عنوان سے دہلی کے کالج میں ایک مقالہ پڑھا تھا، اس جلسہ میں ارباب علم و ادب کا اچھا اجتماع تھا، ایران اور افغانستان کے سفارت خانوں کے اصحاب ذوق نے بھی شرکت کی تھی، اور سب نے مقالہ کو بہت پسند کیا، یہ مقالہ ادارہ مذکور کے رسالہ اندو ایرانیکا میں شائع ہو گا،

مقالات

مُسلمانوں کا علم ہندسہ

از جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے ایل ایل بی بی ٹی ایچ رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی مدھیہ پردیش

(۲)

ابو نصر الفارابی ابو نصر الفارابی جو سرآمد مناطقۂ اسلام ہے اور جو فلسفہ میں معلم ثانی کہلاتا ہے، اس نے حسب تصریح ابن ابی اصیبعہ اقلیدس کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی،

شرح المستغلق من مصادرات — اقلیدس کے پہلے اور پانچویں مقالے کے مصادرات

مقالۃ اولیٰ والخامسۃ[۱] — میں جو اشکالات ہیں ان کی شرح،

اس کی عربی اصل تو آج ناپید ہے، لیکن اس کا عبرانی ترجمہ موجود ہے، جسے غالباً موسیٰ بن طبون نے کیا تھا،

فارابی کی ایک اور کتاب کا ذکر بیہقی (المتوفی ۵۶۵ھ) نے تتمہ صوان الحکمۃ میں کیا ہے، اس کا نام "شرح اقلیدس" ہے، بیہقی کے زمانہ میں یہ کتاب عموماً خراسان میں پائی جاتی تھی،[۲] ممکن ہے یہ تحریر بالا شرح المستغلق ہو،

ابو سہل الکوہی ابو سہل ویجن بن رستم الکوہی نے اپنی ابتدائی زندگی بازاروں میں شیشہ بازی کے اندر گزاری

۱؎ ابن ابی اصیبعہ جلد دوم ص ۱۳۹ ۲؎ تتمہ صوان الحکمۃ بیہقی ص ۱۷،

لیکن عنایت الٰہیہ نے اس کی دستگیری کی، اور اس نے مختلف علوم ہندسہ و فن حیل میں وہ دستگاہ عالی حاصل کی کہ اپنے عہد میں ان کے اندر عدیم المثال اور مشار الیہ بن گیا،[1] اس نے اصول اقلیدس کے انداز پر ایک کتاب لکھی، چنانچہ ابن الندیم اس کے ذکر میں لکھتا ہے:

"ابو سہل ویجن بن رستم کوہی یعنی جبال طبرستان کا رہنے والا تھا، اس کی تصانیف میں کتاب الاصول ہے، جسے اس نے اصول اقلیدس کے نہج پر لکھا تھا۔"[2]

اس کتاب کا ایک پرانا نسخہ جو صرف پہلے دو مقالات پر مشتمل ہے، قاہرہ کے کتب خانہ میں ہے، تیسرے مقالہ کا ایک جزء برلن میں ہے، اس کا ایک خوشخط نسخہ مولانا عبد العزیز المیمنی کے پاس ہے جو حدیث الکتابۃ معلوم ہوتا ہے۔

ابو سہل الکوہی نے "کتاب الاصول" کے علاوہ علم ہندسہ میں اور کتابیں بھی لکھی ہیں، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱- کتاب مراکز الاکر (لیکن اس کتاب کو وہ مکمل نہ کر سکا)

۲- کتاب البرکار التام

۳- کتاب احداث النقط علی الخطوط

۴- کتاب مراکز الدوائر علی الخطوط من طریق التحلیل والترکیب

۵- کتاب اخراج الخطین علی نسبۃ

۶- کتاب الدوائر المتماسۃ

۷- رسالہ فی استخراج ضلع المسبع فی الدائرۃ، دائرہ میں اگر ایک شکل مسبع بنائی جائے تو اس کے ضلعے کو دریافت کرنے کا قاعدہ،

[1] تتمہ صوان الحکمۃ ص ۸۰-۸۱ [2] الفہرست ص ۲۹۵

۸- کتاب الزیادات علی ارشمیدس فی المقالۃ الثانیۃ[1] ارشمیدس کی کتاب الکرۃ والاسطوانہ کے دوسرے مقالہ پر اضافے ان میں سے نمبر ۲ کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے، اور نمبر ۵ کے نسخے پیرس، لندن اور انڈیا آفس میں ہیں، ابو سہل الکوہی کا ایک رسالہ فی "مساحۃ المجسم المکافی" جس کا نسخہ بانکی پور میں ہے، اسکو دائرۃ المعارف حیدر آباد نے شائع کر دیا ہے،

کوشیار الجیلی ابو الحسن کوشیار بن لبان بن باشہری الجیلی کے متعلق بیہقی لکھتا ہے،

"کان مہندساً ماہراً داخلاً بیوت ہذا الفن من ابوابہ"[2]

لیکن کوشیار کی ہندسہ دانی پر اس کی ہیئت دانی غالب تھی، اور اسی حیثیت سے وہ مشہور ہے، وہ تین زیجوں کا مصنف ہے، زیج بانو، زیج جامع اور مجمل الاصول۔ کوشیار کے ایک "رسالہ فی الابعاد والاجرام" کا واحد نسخہ بانکی پور میں ہے، جسے دائرۃ المعارف حیدر آباد نے شائع کر دیا ہے،

استاذ ابو الحسن النسوی استاذ الحکیم المختص ابو الحسن علی النسوی، مجد الدولہ دیلمی (المتوفی ۴۲۰ھ) کے زمانہ میں تھا، اس کا شمار رے کے مشاہیر علماء میں تھا، ہیئت میں وہ "الزیج الفاخر" کا مصنف تھا، استاذ نے ریاضیات و ہندسہ کی متعدد کتابوں کی ترتیب و اصلاح کی، حکیم ارشمیدس کی کتاب المأخوذات جسے یونانی سے عربی میں ثابت بن قرہ نے ترجمہ کیا تھا، حکیم ابو سہل الکوہی نے اس کی شرح بنام "تزیین کتاب ارشمیدس فی المأخوذات" لکھی تھی، پھر بھی بعض مقامات میں غموض و اشکال رہ گیا تھا، اسلیے استاذ النسوی نے اس کی تفسیر لکھی،[3] جس کی مدد سے ساتویں صدی میں محقق طوسی نے "مأخوذات ارشمیدس" کو ایڈٹ کیا،[4] استاذ نے ایک اور کتاب لکھی تھی جس کا نام انھوں نے "مقالۃ فی عمل دائرۃ نسبتہا الی دائرۃ مفروضۃ کنسبۃ مفروضۃ وکذلک عمل جمیع الاشکال المستقیمۃ الخطوط"[5] (ایسے دائرے کو بنانا جو ایک دیے ہوئے دائرے کے ساتھ دی ہوئی نسبت رکھتا ہو، اسی طرح دیگر مستقیم الاضلاع اشکال بنانا)

[1] الفہرست ص ۲۹۵ [2] ... ص ۱۰ [3] مأخوذات ارشمیدس شائع کردہ دائرۃ المعارف بضمن رسائل طوسی جلد دوم ص ۲ [4] ... [5] تتمہ صوان الحکمۃ بیہقی ص ۸۳،

بتایا ہے، استاذ نے اصول اقلیدس کو بھی از سر نو ترتیب دیا، اور اس کا نام کتاب التجرید رکھا، اس کے چھ مقالے پبلک لائبریری رام پور میں ہیں .

اخوان الصفا اسی زمانہ میں ایک باطنی جماعت "اخوان الصفا" نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لیے ایک انسائیکلوپیڈیا لکھی، جو "رسائل اخوان الصفا" کے نام سے مشہور ہے، اس میں باون رسالے ہیں، جو چار حصوں میں منقسم ہیں، پہلا حصہ ریاضیات پر ہے، اس میں چودہ رسالے ہیں، جن میں دوسرا رسالہ ہندسہ پر ہے، اس کا نام ہی "جومطریا" (Geometeria) ہے، یہ مبتدیوں کی ہندسہ آموزی کے لیے مفید کتاب ہے، رسائل اخوان الصفا کا مکمل مجموعہ بمبئی میں ۱۳۰۵ھ میں شائع ہو چکا ہے،

ابن الہیثم چوتھی صدی ہجری کا سب سے بڑا ریاضی داں ابن الہیثم ہے، جس کے متعلق ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

> ابو علی محمد بن الحسن بن الہیثم بصرہ کا رہنے والا تھا...... فاضل النفس، قوی الذکا اور مختلف علوم کا ماہر تھا، علم ریاضی میں اپنے زمانہ میں ثانی نہ رکھتا تھا، ہر وقت تحقیقات علمیہ میں مشغول رہتا تھا، وہ بے شمار تصانیف کا مصنف ہے۔[1]

اسی طرح بیہقی لکھتا ہے:

> "حکیم بطلیموس ثانی ابو علی بن الہیثم: علوم ریاضیات و معقولات میں بطلیموس کا مثل تھا، اس کی تصانیف شمار سے باہر ہیں۔"[2]

۴۳۰ھ تک اس نے جو کتابیں تصنیف کی تھیں، ان کی تعداد سو سے زیادہ ہے، جس میں سے تقریباً پچیس کتابیں ریاضیات پر تھیں، ان میں سے نفس اقلیدس کے متعلق اس نے دس کتابیں لکھی تھیں،

۱۔ شرح اصول اقلیدس فی الہندسۃ   علم ہندسہ اور علم الاعداد میں اصول اقلیدس

---

[1] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد دوم ص ۹۰ [2] تتمہ صوان الحکمۃ بیہقی ص ۸۰

والعدد و تلخیصہ	کی شرح اور اس کا مختصر
۲۔ کتاب جمع فیہ الاصول الہندسۃ والعددیۃ من اقلیدس وابلونیوس	کتاب جس میں اس نے علم ہندسہ اور علم الاعداد کے اصول، اقلیدس کی کتاب الاصول اور ابلونیوس کے مخروطات سے جمع کیے ہیں،
۳۔ الکتاب الجامع فی اصول الحساب وھو کتاب استخرج اصولہ لجمیع انواع الحساب من اوضاع اقلیدس فی اصول الہندسۃ والعدد۔	الکتاب الجامع اصول حساب میں جس میں تمام مسائل حسابیہ کے اصولوں کو اقلیدس سے مستخرج کیا ہے
۴۔ کتاب فی المساحۃ علی جہۃ الاصول	رسالہ مساحت میں اصول اقلیدس کے انداز پر
۵۔ مقالۃ فی حل شکوک المقالۃ الاولیٰ من کتاب اقلیدس	اقلیدس کے پہلے مقالہ کے شکوک کا حل،
۶۔ مقالۃ فی حل شک علی اقلیدس فی المقالۃ الخامسۃ من کتابہ فی الاصول الریاضیۃ	اقلیدس کے پانچویں مقالے کے ایک شک کا حل
۷۔ مقالۃ فی حل شکوک فی مجسمات کتاب اقلیدس	اقلیدس کے حصہ مجسمات (آخری تین مقالوں) کے شکوک کا حل
۸۔ قول فی حل شک فی المقالۃ الثانیۃ عشر من اقلیدس	اقلیدس کے بارہویں مقالے کے ایک شک کا حل
۹۔ قول فی قسمۃ المقدارین المختلفین المذکورین فی الشکل الاول من المقالۃ	اقلیدس کے دسویں مقالے کی شکل اول میں دو مختلف مقداروں کی تقسیم کے مسئلہ پر

العاشرۃ من کتاب اقلیدس   اظہار خیال

۱۰۔ مقالۃ فی شرح مصادرات کتاب اقلیدس

ان میں سے پہلی چار کتابیں ناپید ہیں، نمبر ۵ سے نمبر ۸ تک غالباً بعد میں ایک کتاب کی شکل میں مدون کی گئیں جس کا نام "حل شکوک اقلیدس" رکھا گیا، اس کا ایک جزء از اول تا مقالہ پنجم لیڈن میں موجود ہے، اس کے بعد کے مقالوں کے شکوک کا حل بوڈلین لائبریری میں ہے، اس کتاب کا ایک مکمل نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں اور نمبر ۹ کا ایک نسخہ سینٹ پیٹرس برگ میں ہے، شرح مصادرات اقلیدس کا ایک قدیم نسخہ اسٹیٹ لائبریری رامپور میں ہے، دوسرے نسخے آکسفورڈ، الجزائر اور فیض میں ہیں،

ان دس کتابوں کے علاوہ ہندسی مسائل پر ابن الہیثم نے اور کتابیں بھی لکھی تھیں، ان میں سے تقریباً ۹ رسالے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کر دیے ہیں، بصریات (Optics) میں عرصے تک ابن الہیثم کی "کتاب المناظر" یورپ میں حرف آخر سمجھی جاتی تھی، کتاب المناظر کا متن عرصہ ہوا دہلی میں کسی لیتھو پریس سے شائع ہوا تھا، مگر اس کی شرح تنقیح المناظر از کمال الدین دو جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو گئی ہے،

ابن الہیثم کا خاص کارنامہ اقلیدس کے اس مصادرہ توازی خطوط (Parallel Postulate) کی دریافت ہے، جو آج کل پلے فیر صاحب کا علوم متعارفہ Playfairs Axiom کہلاتا ہے اور جسے ابن الہیثم کے آٹھ سو سال بعد انگلستان کے ایک ریاضی داں پلے فیر نے دریافت کرنے کا دعویٰ کیا، پلے فیر نے ۱۷۹۵ء میں اقلیدس کا ایک ایڈیشن شائع کیا تھا، جس کے دیباچے میں لکھتا ہے،

A new axion is introduced in the room of the twelfth for	خطوط متوازیہ کے خواص کو زیادہ آسانی کے ساتھ واضح کرنے کے لیے اقلیدس کے بارہویں علوم

The purpose of demonstrating more easily some of the properties of parallel lines	متعارفہ کی جگہ ایک نیا علوم متعارفہ پیش کیا جاتا ہے،

یہ نیا مصادرہ یا axiom خود پلے فیر کے لفظوں میں حسب ذیل تھا،

Two straight line which intersect one another can not be parallel to the straight line	دو خطوط مستقیم جو ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں، ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے،

بعینہ یہی علوم متعارفہ ابن الہیثم نے آٹھ سو سال قبل دریافت کیا تھا، محقق طوسی نے "الرسالۃ الشافیہ" میں (جسے دائرۃ المعارف نے شائع کیا ہے)، لکھا ہے:

اما المقدمۃ التی زعم انہا ابین عند الحس واوقع فی النفس من ہذہ المصادرۃ واستعمالہا فی المواقع التی یحتاج فیہا الی تلک المصادرۃ بدلاً عنہا فہی "ان الخطین المستقیمین المتقاطعین لا یمکن ان یوازی خطاً واحداً مستقیماً"	اور وہ مقدمہ جس کے لیے ابن الہیثم کا خیال تھا کہ وہ اس مصادرے سے زیادہ بین اور ذہن میں زیادہ راسخ ہونے والا ہے اور اس نے ان مقامات میں جہاں اسکی ضرورت پڑتی ہے، اقلیدس کے مصادرہ کے بجائے استعمال کیا ہے، حسب ذیل ہے: "دو متقاطع خطوط مستقیم ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے"

رہی یہ بات کہ ابن الہیثم نے محقق طوسی کے لفظوں میں، یہ گمان کیا تھا کہ اس کا مصادرہ اقلیدس کے Parallel Postulate سے زیادہ سمجھ میں آنے والا اور ذہن میں زیادہ راسخ ہونے والا ہے، تو اس کا یہ گمان غلط نہیں تھا، چنانچہ آٹھ سو سال بعد ہندسہ شہیر Calay

نے اس بات پر مہر توثیق ثبت کر دی، چنانچہ ۱۸۳۲ء میں سائنسدانوں کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا

My own view is that Euclid's twelfth axiom in Playfair's form of it does not need demonstration, but is part of our notion of space, of the physical space of our exp- -ience, which is the repres entation lying at the bottom of all external experience

میری اپنی رائے یہ ہے کہ اقلیدس کا بارہواں علوم متعارفہ پلے فیر کی دریافت کردہ شکل میں کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے، بلکہ ہمارے تصور مکان کا جزء ہے؛ ہمارے تجارب کے اس طبعی مکان کا جو ہمارے تمام خارجی تجارب کی تہ میں ایک اساسی تصور کی حیثیت سے موجود ہے،

ابن الہیثم کی یہ ہندسی تحقیقات اس کی عظمت فکر کے ثبوت کے لیے کافی ہے، مگر اس کے دوسرے اکتشافات بھی کم اہمیت نہیں رکھتے.

بوعلی سینا سرآمد اطبائے اسلام شیخ بوعلی الحسین بن عبد اللہ بن سینا معلم ثالث کے نام سے مشہور ہے، ارسطو کی طرح اس کی ہمہ دانی اور جامعیت نے ریاضی وہندسہ کو بھی کاوش فکر سے محروم نہ رکھا؛ چنانچہ کتاب الشفا کا جزء ثالث ریاضیات پر مشتمل ہے، ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے:

"قیام اصفہان کے زمانہ میں شیخ کتاب الشفاء کی تکمیل میں مشغول ہوا، از منطق اور مجسطی وہیئت کے مباحث سے فراغت پائی، اقلیدس (ہندسہ) اور ثماطیقی اور موسیقی کے مباحث کا وہ پہلے ہی اختصار کر چکا تھا، ریاضیات (کے فنون اربعہ) کی ہر کتاب میں اس نے کچھ نہ کچھ

مزید مباحث کا جو اس کے نزدیک ضروری تھے، اضافہ کیا، چنانچہ مجسطی (ہیئت) میں اختلاف المناظر کے متعلق دس شکلوں کا اضافہ کیا اور آخر میں کچھ ایسی اشکال بڑھائیں جن کی اگلوں نے کوشش نہیں کی تھی، اقلیدس (ہندسہ) میں اس طرح اضافہ کیا اور ارثماطیقی میں دلچسپ خواص کا اضافہ کیا"[۱]

ابن ابی اصیبعہ نے شیخ کی مصنفات میں ایک کتاب "مختصر اقلیدس" کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے

"میرا گمان ہے کہ وہ کتاب النجاۃ میں بطور ضمیمہ کے شامل ہے"[۲]

لیڈن میں جو نجاۃ کا نسخہ ہے وہ مختصر اقلیدس پر بھی مشتمل ہے، مگر بیہقی کا خیال ہے کہ یہ الحاق عبد الواحد الجوزجانی کا ہے، چنانچہ الجوزجانی کے تذکرے میں لکھتا ہے،

"اور اسی نے کتاب الشفا کے جمع کرنے میں شیخ کی مدد کی اور نجات اور رسالہ علائیہ کے آخر میں علوم ریاضیہ کے مباحث کا الحاق کیا"[۳]

ابونصر بن عراق امیر ابونصر منصور بن علی بن عراق ابو ریحان البیرونی کا استاذ مثلثات کر دیہ میں شکل مغنی کا موجد ہے. اس نے البیرونی کے ایماء سے اقلیدس کے تیرہویں مقالے کے ایک شبہہ کا حل جو اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا، لکھا تھا، اس کے قلمی نسخے برلن اور بانکی پور میں موجود ہیں؛ دائرۃ المعارف حیدرآباد نے "رسائل ابی نصر منصور بن عراق الی البیرونی" کے ضمن میں اسے بھی بعنوان "ضمیمہ کتاب الاصول" شائع کر دیا ہے،

اس کتاب میں پندرہ رسالے ہیں، جن میں سے اکثر ہیئت کے مسائل سے متعلق ہیں، تین ہندسہ پر ہیں:

۱- ضمیمہ کتاب الاصول، جس کا اوپر ذکر گزرا،

۲- اصلاح شکل مانالاؤس

---

[۱] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد دوم ص ۶-۷، [۲] ایضاً ص ۱۹، ۲۰ [۳] تتمہ صوان الحکمۃ بیہقی ص ۹۳

۲- المسائل الهندسية،

آخر الذکر میں پندرہ مسائل ہیں، جن میں پہلے تین مخروطات کی ترسیم سے متعلق ہیں، بارہواں مسئلہ مثلثات کرویہ و مستویہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ ہر مثلث میں

$$\frac{\text{Sin } a}{\text{sine } A} = \frac{\text{Sin } b}{\text{sine } B} = \frac{\text{sine } c}{\text{sine } C}$$

البیرونی | ابوریحان البیرونی اجلہ مہندسین میں ہے، کتاب الہند اور قانون مسعودی کا مصنف ہے، قانون مسعودی ہیئت کا شاہکار ہے، اور اس کا تیسرا مقالہ علم المثلثات الکرویہ (spherical Trignometery) کے مسائل کی تبیین و توضیح پر ہے، یہ اہم کتاب نوادر روزگار میں سے ہے، اس کے نسخے بہت کم لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں، دائرۃ المعارف حیدرآباد نے حال ہی میں اسکو شائع کیا ہے، قانون مسعودی کے علاوہ دائرۃ المعارف نے البیرونی کے حسب ذیل رسائل کو بھی شائع کیا ہے:

۱- استخراج الاوتار فی الدائرہ،

۲- افراد المقال فی امر الظلال

۳- تمہید المستقر لمعنی الممر

۴- راشیکات الہند

محمد بن احمد المعموری | امام محمد بن احمد المعموری الفیلسوف پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر میں ریاضی وہندسہ کا جید عالم ہے، اقلیدسی ہندسہ میں بہت سے علما وحکما نے اپنے شاہکار چھوڑے لیکن دقائق مخروطات ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی، اسلئے کم لوگوں نے اس فن پر طبع آزمائی کی، مہندسین اسلام میں سے سب سے پہلے محمد بن موسیٰ بن شاکر نے مخروطات اپلونیوس کو ترجمہ کرا کر ایڈٹ کیا جسے چوتھی صدی میں ابوالفتح الاصفہانی نے ازسرنو ترتیب دیا، پانچویں صدی کے آغاز میں

ابن الہیثم نے اصول اقلیدس و مخروطات اپلونیوس کے مسائل کو ایک جگہ جمع کیا، اور پانچویں صدی کے آخر میں امام محمد بن احمد المعموری نے دقائق مخروطات پر توجہ کی، تاریخ بیہقی میں ہے،

"امام محمد بن احمد المعموری الفیلسوف .... اور علم مخروطات کی غایت علم ریاضی باشد تصنیفے است کہ ہر کس بغایت ادراک آں نرسد"

اسی طرح بیہقی نے تتمہ صوان الحکمۃ میں لکھا ہے،

"وہ ریاضیات میں بنوموسیٰ کا ثانی اور بیہق کا باشندہ تھا، اس نے دقائق مخروطات میں ایسی کتاب تصنیف کی کہ کسی نے اس سے پہلے وہاں تک سبقت نہیں کی .... حکیم عمر خیام اسکے علم اور قابلیت کا اعتراف کرتا تھا[1]"

غالباً مخروطات کا یہ جوہر نادرہ آج ناپید ہے،

عمر خیام | خمریات کا شاعر رنگیں نوا مشرق میں اپنی رباعیات ہی کے نام سے مشہور ہے، مگر یورپ اسکی شاعری پر اس کی ہیئت دانی کو مقدم سمجھتا ہے، اور اسے Astronomer Poet کہتا ہے، عمر خیام فلسفہ و حکمت میں بھی وحید عصر تھا، القفطی کہتا ہے:

"عمر خیام امام خراسان و علامۂ زمان تھا، یونانی علوم کو جانتا تھا...... علم نجوم و حکمت میں عدیم المثال تھا[2]"

ہندسہ و حساب میں بھی اس نے تصانیف چھوڑی ہیں، عمر خیام کا جبر و مقابلہ فرانس سے شائع ہو گیا ہے، محقق طوسی نے "الرسالۃ الشافیہ" میں اس کی ایک کتاب "شرح ما اشکل من مصادرات کتاب اقلیدس" کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ

"عمر خیام نے اپنے اس رسالہ میں Parallal Postulate کا ثبوت

[1] تتمہ صوان الحکمۃ بیہقی ص ۱۶۲ - ۱۶۳ [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۶۲، ۱۶۳

آٹھ شکلوں کی مدد سے دیا ہے۔"

عمر خیام کی شرح "ما اشکل من مصادرات اقلیدس" نایاب ہے، لیکن اس نے جس طرح "نظریۂ توازی خطوط" کو ثابت کیا ہے، اسے محقق طوسی نے الرسالۃ الشافیہ میں نقل کر دیا ہے۔ الرسالۃ الشافیہ چھپ گیا ہے،

ابو حاتم المظفر الاسفزاری فیلسوف ابو حاتم المظفر الاسفزاری حکیم عمر خیام کا ہمعصر تھا، دونوں میں مباحثے بھی رہتے تھے، الاسفزاری پر علوم ہیئت اور علم الحیل (Mechanics) غالب تھے، اس کا خاص کارنامہ "میزان ارشمیدس" کی تلاش و دریافت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

بادشاہوں کے تاج میں کھوٹ سنار ملاتے ہیں اور اس کا پتہ لگانے میں خون جگر مہندسین کھاتے ہیں، یہ ایک بہت پرانا قصہ ہے، اتنا پرانا جتنا کہ ارشمیدس کا زمانہ، اسے بھی بادشاہ وقت نے یہ پتہ لگانے کا حکم دیا تھا کہ اس کے تاج میں سنار نے کھوٹ تو نہیں ملا دی، ارشمیدس نے اس کا اصول دریافت کر لیا، اور اتنا خوش ہوا کہ غسل خانہ سے جہاں یہ انکشاف ہوا تھا، برہنہ خوشی کے ساتھ Eureka کے نعرے لگاتا ہوا بھاگا، قدیم مہندسین اسلام نے بھی اس مسئلہ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور یہ مسئلہ بعد کے حکمائے مہندسین کا بھی تختۂ مشق رہا، یہاں تک کہ بقول خازنی صاحب میزان الحکمۃ عمر خیام کی نوبت آئی، عمر خیام نے عرصہ تک اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی، اور ابو حاتم المظفر الاسفزاری سے اس فن پر مباحثے کرتا رہا،

اس ضمن میں سب سے زیادہ کوشش ابو حاتم المظفر الاسفزاری نے کی اور بقول بیہقی

"اس نے میزان ارشمیدس تیار کر لی جس سے کسی دھات کا کھرا کھوٹا سونا معلوم ہو جاتا ہے، اس نے اپنی پوری عمر اس کی تحقیق و ایجاد میں صرف کر دی، جب سلطان سنجر کے خزانچی کو

[1] الرسالۃ الشافیہ للطوسی بضمن رسائل طوسی جلد دوم، شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد، ص ۲۰۰

معلوم ہوا تو اسے اپنی چوری پکڑ جانے کا اندیشہ ہوا، اور اس نے اس میزان کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، حکیم مظفر کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ شدت رنج و الم میں بیمار ہو گیا اور اسی غم میں مر گیا۔"[1]

اسفزاری کی اس میزان کی تفصیل جسے اس نے میزان الحکمۃ کے نام سے موسوم کیا تھا، اور اس کی کوتاہیوں کی تنقید خازنی نے میزان الحکمۃ میں دی ہے، اسفزاری نے اصول اقلیدس کو "اختصار الاصول اقلیدس" کے نام سے مختصر کیا تھا، اس کتاب کا نسخہ پیرس کی قومی لائبریری میں موجود ہے،

عبدالرحمن الخازنی حکیم ابو الفتح عبدالرحمن الخازنی ایک رومی غلام تھا، جو علی خازن المروزی کی ملازمت میں منسلک تھا، علوم ہندسہ میں اس کو مرتبۂ کمال حاصل تھا، بالخصوص ان فنون معقولات میں جن کے ساتھ اسے طبعی مناسبت تھی، زیج سنجری (المعتبر السنجری) کا وہی مصنف ہے، اس زیج کا ایک نسخہ کتبخانۂ حمیدیہ استنبول میں ہے،

لیکن خازنی کا ہندسی شاہکار "میزان الحکمۃ" ہے، جس کے غم میں ابو حاتم المظفر الاسفزاری نے جان دی، چونکہ الخازنی نے اس کتاب میں متقدمین کی کوتاہیوں اور نارسائیوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے، اس لئے اس نے ان سے اپنے کو بچایا ہوگا اور ان مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کی ہوگی، اس کتاب کا ایک بہت عمدہ نسخہ جامع مسجد بمبئی کے مکتبۂ محمدیہ میں موجود ہے، جس پر سنہ کتابت ۵۸۵ھ مرقوم ہے یعنی یہ نسخہ تصنیف کتاب کے صرف ستر سال بعد بندرہرمز میں لکھا گیا تھا۔ خانیکوف نے اس کتاب کے بعض اجزا شائع کیے تھے، لیکن اب اس کتاب کو دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کر دیا ہے،

ابو سعید الارموی الحکیم ابو سعید الارموی اپنے عہد کے مشاہیر حکما میں اور نظام الملک طوسی کے لڑکے فخر الملک مظفر کے بچوں کا اتالیق تھا، وہ مال کے ذریعہ قناعت کا جویا تھا، اور اس

[1] تتمہ صوان الحکمۃ للبیہقی ص ۱۱۹-۱۲۰

مقصد کے لیے تنخواہ سے نو سو دینار جمع کر لیے تھے، اور یہ خیال تھا کہ جب ایک ہزار دینار جمع ہو جائیں گے تو ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو جائے گا، لیکن جب اندوختہ نو سو نوے دینار ہوا تو پیام اجل آگیا،

نحن فی التفکیر واللہ فی التقدیر

بیہقی اس کے متعلق تتمہ صوان الحکمۃ میں کہتا ہے:

"کان حکیما قد امتطی غوارب الحکمۃ ومتبحراً فی الادب"[۱]

اس کی تصانیف میں بیہقی نے ہندسہ کی ایک کتاب بھی لکھی ہے،

"شرح المقالۃ الاولیٰ والثانیۃ من کتاب اقلیدس"[۲]

یہ کتاب تو نہیں رہی، مگر اس کا نام باقی رہ گیا۔

عبد الملک الشیرازی | ابو الحسین عبد الملک بن محمد الشیرازی چھٹی صدی کا مہندس ہے، ۳۶۰ھ کے قریب وفات پائی، اس نے ہلال بن ابی ہلال الحمصی اور ثابت بن قرہ کے ترجمہ کیے ہوئے مخروطات اپلونیوس کا نیا اڈیشن مرتب کیا،

اس کتاب کا ایک نسخہ بوڈلین لائبریری میں اور دوسرے نسخے لیڈن اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں ہیں،

امام رازی | امام فخر الدین رازی در اصل متکلم اور مفسر کی حیثیت سے مشہور ہیں، ابن ابی اصیبعہ نے ہندسہ میں بھی ان کی دو تصنیفیں لکھی ہیں،

۱۔ کتاب فی الہندسۃ،

۲۔ کتاب مصادرات اقلیدس،[۳]

نجم الدین اللبودی | از دالی بغداد کے قریب ایک مشہور مہندس اور طبیب صاحب نجم الدین اللبودی

۱؎ تتمہ صوان الحکمۃ بیہقی ص ۱۰۰ ۲؎ ایضاً ۳؎ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۳۰

کا نام دیکھنے میں آتا ہے، حسب تصریح ابن ابی اصیبعہ اس نے ہندسہ میں حسب ذیل کتابیں لکھی تھیں،

۱۔ مختصر کتاب اقلیدس،

۲۔ مختصر مصادرات اقلیدس،

۳۔ غایت الغایات فی المحتاج الیہ من اقلیدس والمتوسطات،[۱]

ابو نصر غرس النعمۃ | آخری خلیفہ المستعصم باللہ کے عہد میں ابو نصر سعید بن مسعود بن القس البغدادی الغرس النعمۃ ایک مشہور ریاضی دان تھا، اس نے الحجاج بن مطر کے ترجمۂ اقلیدس پر حواشی لکھے، لیڈن میں حجاج کا جو ترجمۂ اقلیدس ہے وہ ان حواشی پر بھی مشتمل ہے،

ابو محمد البغدادی الفرضی | ابو محمد بن عبد الباقی البغدادی الفرضی نے اقلیدس کے دسویں مقالہ کی شرح لکھی تھی جس میں ہندسی اشکال کی عددی مثالیں دی تھیں، اسے Curtze نے التبریزی کی شرح کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔

الجیانی | ابو عبد اللہ محمد بن معاذ الجیانی نے اقلیدس کے پانچویں مقالے کی شرح لکھی۔

اس کتاب کا ایک نسخہ الجزائر میں موجود ہے،

حکمائے اندلس | حکمائے اندلس نے بھی ہندسہ و اقلیدس کے ساتھ کچھ کم اعتنا نہیں کیا، لیکن ان کے ہندسی کارنامے پردۂ خفا میں ہیں، القفطی نے لکھا ہے کہ ۵۹۵ھ میں مجھ سے ابو الحسن القشیری الاندلسی نے بیت المقدس میں ذکر کیا کہ کسی اندلسی نے اقلیدس کی شرح لکھی تھی، جس کا نام "تنسیہ" ہے[۲]

ابن السمح الغرناطی | مہندسین اندلس میں سب سے مشہور ابن السمح الغرناطی ہے، جس نے ۴۲۶ھ میں وفات پائی، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی دو ہندسی کتابوں کا ذکر کیا ہے،

۱۔ کتاب المدخل الی الہندسۃ

۱؎ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد دوم ص ۱۸۹ ۲؎ اخبار الحکماء للقفطی ص ۴۸

۲۔ کتاب الکبیر فی الهندسہ یقتضی فیہ اجزاء ہا من الخط المستقیم والمقوس والمنحنی[1] (علم ہندسہ میں ایک بڑی کتاب جس میں خطوط مستقیم، مدور اور منحنی کا ذکر ہے)

محقق طوسی ابن الہیثم کے بعد مشرق میں سب سے بڑا ریاضی داں نصیر الدین طوسی (المتوفی ۶۷۲ھ) ہے۔ وہ مذہب امامیہ کا جلیل القدر متکلم، بہت بڑا فلسفی اور اپنے عہد کا سب سے بڑا مہندس و ہیئت داں تھا، اس نے حجاج بن یوسف بن مطر اور اسحٰق بن حنین کے ترجموں کو سامنے رکھکر اقلیدس کا ایک نیا اڈیشن (غالباً ۶۵۱ھ سے قبل) مرتب کیا، جس کا نام تحریر اصول الہندسہ والحساب رکھا، اس میں پندرہ مقالے ہیں، تیرہ وہ جو اقلیدس نے لکھے تھے، اور دو مقالے حکیم ابسقلاؤس (Hypsicles) کے ایزادات مجسمات خمسہ (Five regular Polyhedra) کے خواص میں ہیں، مستشرقین کا خیال ہے کہ محقق طوسی نے اس کتاب کے دو اڈیشن مرتب کیے تھے، ایک بڑا اور ایک چھوٹا، بڑا نسخہ کہا جاتا ہے کہ صرف فلورنس میں ہے، یہ ۱۵۹۴ء میں روم میں چھاپا گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخے بھی کمیاب ہیں، البتہ چھوٹے اڈیشن کے نسخے مشرق و مغرب کی تقریباً ہر لائبریری میں پائے جاتے ہیں، تحریر اقلیدس مکمل پندرہ مقالے ایران میں لیتھو پریس میں چھپی تھی، پہلے چھ مقالے کلکتہ میں شائع ہوئے تھے، پہلا مقالہ ہندوستان کے مختلف مطابع میں متعدد بار چھپ چکا ہے، کیونکہ ہندوستان میں عموماً اور اتر پردیش کے مدارس میں خصوصاً اقلیدس کا پہلا مقالہ مدارس عربیہ کے درس میں داخل ہے۔

محقق طوسی کا خاص کارنامہ اقلیدس کے مصادرہ توازی خطوط (Parallel Postulate) کے ثبوت کی کوشش ہے، یہ مصادرہ قدیم الایام سے مہندسین کی تفکیری ورزش کا موضوع رہا ہے، یونانی مہندسین نے بھی کبھی اسے (Postulate) نہیں مانا، بلکہ

[1] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد دوم ص ۸

Theorem مان کر اس کا ہندسی ثبوت دینے کی کوشش کرتے رہے، مہندسین اسلام نے بھی اپنے یونانی پیشرووں کی اس دیرینہ روایت کو باقی رکھا اور بہت سے مفکرین نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی، جن میں سے چار محققین کی مساعی فکریہ اب تک محفوظ ہیں یعنی ابن الہیثم، الجوہری، عمر خیام اور محقق طوسی، محقق نے اس پر ایک مستقل رسالہ جس کا نام "الرسالۃ الشافیہ عن الشک فی الخطوط المتوازیہ" لکھا ہے، اس میں اس نے ابن الہیثم کے متبادل مصادرہ Alternate Postulate کے ذکر کے بعد جو آج (Playfair's Axiom) کے نام سے مشہور ہے، الجوہری اور عمر خیام کے طریق اثبات کو بیان کیا ہے کہ ان دونوں مہندسین نے کس طرح اسکو ثابت کرنے کی کوشش کی، اس کے بعد تینوں پر تنقید کی ہے، آخر میں اپنا ثبوت دیا ہے، محقق نے اس مصادرہ کو آٹھ نئی اشکال کی مدد سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان ہی آٹھ مقدمات کو اس نے تحریر اقلیدس کی انتیسویں شکل سے پہلے بیان کرکے مصادرہ توازی خطوط کو ثابت کیا ہے، اور پھر اس کی مدد سے انتیسویں شکل کو ثابت کیا ہے،[1]

عموماً مستشرقین اس سلسلے میں محقق طوسی کے علاوہ دیگر مہندسین بالخصوص ابن الہیثم کی کوششوں سے واقف نہیں ہیں، لہذا وہ اس مسئلے کی تاریخ بیان کرتے وقت محقق طوسی کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں کرتے،

اس مفید کتاب (الرسالۃ الشافیہ) کو دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کر دیا ہے، محقق نے متوسطات کا بھی ایک نیا اڈیشن مرتب کیا تھا، متوسطات وہ کتابیں ہیں جو اقلیدس اور مجسطی کے درمیان پڑھائی جاتی ہیں، دائرۃ المعارف حیدرآباد نے ان تمام کتابوں کو جن کی تعداد سولہ ہے "رسائل طوسی" کے نام سے دو جلدوں میں شائع کر دیا ہے،

[1] تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ مطبوعہ مجیدی پریس کانپور صفحہ ۳۱-۴۵

ان کے علاوہ اقلیدس کے سلسلے میں محقق کی دو کتابیں اور ہیں،

۱۔ کتاب المصادرات: اس کا ایک نسخہ پیرس میں ہے، اور دوسرا رامپور میں، فلورنس کے مخطوطہ (Pal 98) کے متعلق بھی مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ کتاب المصادرات ہے۔

۲۔ کتب خانہ قاہرہ میں ایک کتاب ہے جو اصول اقلیدس کی ایک سو پانچ[۱۰۵] منتخب اشکال پر مشتمل ہے، محقق نے مخروطات اپلونیوس کا بھی نیا ایڈیشن مرتب کیا تھا، اس کے دو نسخے بوڈلین لائبریری میں موجود ہیں، جن میں سے ایک سنہ ۸۰۰ھ کا لکھا ہوا ہے،

اشکال التاسیس اسی عہد کا ایک مشہور مہندس محمد بن اشرف شمس الدین سمرقندی ہے، اس نے اقلیدس کے پہلے مقالہ کی پینتیس[۳۵] اشکال کا جو علم ہندسہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں "اشکال التاسیس" کے نام سے انتخاب کیا، اس کے نسخے برٹش میوزیم، آکسفورڈ اور گوتھا میں موجود ہیں۔

قاضی زادہ رومی موسیٰ بن محمد بن محمود قاضی زادہ رومی نے جو ہمارے یہاں علم ہیئت کی مشہور کتاب "شرح چغمینی" کے مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں، اور جو غیاث الدین جمشید کاشی کی وفات کے بعد رصدگاہ الغ بیگ کے متولی رہے، اشکال التاسیس کی شرح لکھی۔

شرح اشکال التاسیس کے نسخے یورپ اور ہندوستان کی لائبریریوں میں تقریباً ہر جگہ موجود ہیں،

قاضی زادہ رومی کی شرح اشکال التاسیس پر بہت سے علماء نے حواشی لکھے، جن میں دو شخصوں کے حواشی مشہور ہیں؛ فصیح الدین محمد النظامی جنھوں نے ۸۷۹ھ میں امیر شیر علی کے لیے حاشیہ لکھا تھا، اور ابو الفتح محمد بن ابی سعید الحسینی کا حاشیہ جو قاضی زادہ کے شاگرد اور تاج السعیدی کے نام سے مشہور ہیں، موخر الذکر کے حاشیہ کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے،

برجندی علامہ برجندی نے جو اپنے عہد کے بحر العلوم تھے، تحریر اصول اقلیدس کی شرح

تحریر تحریر اقلیدس" کے نام سے لکھی، اس کا ایک نسخہ رامپور لائبریری میں موجود ہے،

میبذی کمال الدین المیبذی نے جن کی شرح ہدایۃ الحکمۃ "میبذی" کے نام سے ابھی تک مدارس عربیہ میں زیر درس ہے، تحریر اقلیدس پر حواشی لکھے، اس کا ایک نسخہ جو پہلے آٹھ مقالوں پر مشتمل ہے، رامپور لائبریری میں موجود ہے،

میر محمد ہاشم علوی میر محمد ہاشم علوی (المتوفی ۱۰۶۹ھ) نے اقلیدس کی شرح لکھی، اس کے نسخے رامپور اور بانکی پور میں پائے جاتے ہیں،

یہ طول طویل فہرست اُن فضلاء کے نام کی ہے، جن کی کتابیں یا دحوادث کا صدمہ اٹھا کر بھی زندہ رہ سکی ہیں، یا جن کے نام تاریخ و تراجم کی کتابوں میں محفوظ ہیں، لیکن بہت سے ایسے بھی بدنصیب ہوں گے جو اپنے عہد کے ابن الہیثم اور طوسی رہے ہوں گے لیکن تاریخ و تراجم کی مسند بقائے دوام پر انھیں بار نہیں ملا، پھر خود تاریخ و تراجم ہی کی تمام کتابیں ہم تک کب پہنچی ہیں؟

اس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے علم ہندسہ کے ساتھ اس سے کم اعتنا نہیں کیا جو یورپ کے فضلاء نے کیا ہے،

امام اشعری اور مستشرقین

از جناب مرزا محمد یوسف صاحب استاذ مدرسہ عالیہ رامپور

مستشرقین کی علمی خدمات اپنی جگہ پر قابل صد ستایش ہیں، مگر دیانت کا تقاضا ہے کہ ان کی تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر سے اوجھل نہ رہے، یہ صحیح ہے کہ ان کی سعی و کاوش کے طفیل میں مشرق کے بہت سے علمی نوادر جو نقش و نگار طاق نسیاں بن چکے تھے، از سرِ نو اجاگر ہوگئے، مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی تحقیق کے پردے میں بسا اوقات انتہائی خطرناک مقصد پنہاں رہتا ہے، وہ اسلامی تاریخ کے غیر اہم اور دھندلے نقوش کو بھی اپنے مخصوص سیاسی مقاصد کے پیش نظر نمایاں کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، شعوبیہ کی تحریک کوئی اہم اجتماعی تحریک نہیں تھی، صرف ایک ادبی تحریک تھی، جو چند اہل ادب تک محدود رہی، اور طبقۂ عوام اس سے آشنا بھی نہیں ہوا، مگر مسٹر براؤن نے جن کا شمار اسلامیات کے محسنین کی صف اول میں ہوتا ہے، اپنے قلم کی چابک دستی سے اس کو وہ شوخ رنگ بخشا جس نے ایران و توران اور ترک و عرب کی تفریق کو زندہ کر دیا،

نقاشان فرنگ نے اس قسم کے دھندلے نقوش ہی کو نمایاں کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایسے ایسے افسانے تراشے جن کا کوئی وجود ہی نہیں تھا، اسلامی شریعت (فقہ) تمام تر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے، مگر گولڈ زیہر نے یہ افسانہ تراشا کہ اسلامی فقہ رومن قانون سے ماخوذ ہے، اس افسانہ نے آگے چلکر ایک امر واقعہ کی حیثیت حاصل کرلی اور آج ایک جماعت کا جس نے محمد ن لا کا مطالعہ انگریزی کتابوں

کی مدد سے کیا ہے، خیال ہے کہ اسلامی فقہ بڑی حد تک رومن لا سے متاثر ہوئی ہے،

اس لیے حزم و احتیاط کا مقتضا ہے کہ مستشرقین کی علمی و تحقیقی کاوشوں کو آنکھ بند کر کے نہ مان لیا جائے ہماری خوش فہمی ملاحظہ ہو کہ ہم مستشرقین کی ہر علمی کوشش کو بڑی فراخدلی سے احسنت و مرحبا کہنے کے لیے تیار رہتے ہیں،

حال ہی میں ایک امریکن مشنری رچرڈ جوزف مکارتھی نے "الاشعری کی دینیات" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے، جو باوجود کوشش کے میرے مطالعہ میں نہ آسکی، جناب عابد رضا خاں صاحب بیدار رامپوری نے معارف اکتوبر ۱۹۵۵ء میں اس کا تعارف کرایا ہے، اس کی روشنی میں اس کتاب کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے،

"الاشعری کی دینیات" امام اشعری کی کتاب اللمع اور استحسان الخوض فی الکلام کے عربی متون اور انگریزی تراجم پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ چار ضمیمے بھی ہیں، جن میں سے ایک ضمیمہ میں امام اشعری کی تصانیف کی فہرست ہے،

جہاں تک کتاب اللمع کی اشاعت کا تعلق ہے، ہم مسٹر مکارتھی کے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اس اہم کتاب کو شائع کر کے ایک بڑے مفکر اسلام کے افکار عالیہ سے براہ راست آشنا ہونے کا ہمکو موقع دیا ہے،

مسٹر مکارتھی نے "کتاب اللمع" امریکی یونیورسٹی بیروت کے قلمی نسخہ کی مدد سے شائع کی ہے، معلوم نہیں اس کی تصحیح و مقابلہ میں انھوں نے اس نسخہ کے علاوہ دوسرے نسخوں سے بھی مدد لی ہے یا نہیں، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے، جس کی نشاندہی بروکلمن نے اپنی "تاریخ الادب العربی" میں کی ہے،[1] ابتداء سے بدعتی فرقوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اکابر علمائے اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں ایسی چیزیں داخل کردیں

[1] بروکلمن تاریخ ادب العربی ملحق جلد اول صفحہ ۳۴۵ رقم ۱۰ (ضمیمہ فہرست برٹش میوزیم صفحہ ۱۰۲ پر اس کتاب کا ذکر ہے)

اضافہ کر دیتے ہیں جن سے ان بزرگوں کا دامن پاک تھا، اس لیے علماء نے کسی کتاب کے قابل اعتماد ہونے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ ثقہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہ چکی ہو، چنانچہ ریٹر نے امام اشعری کی کتاب "مقالات الاسلامیین" جن نسخوں کی رو سے ایڈٹ کی ہے، اُن میں سے ایک نسخہ شہرستانی کے استعمال میں رہ چکا ہے۔[1]

دوسری شرط یہ رکھی تھی کہ کتاب کی مسلسل روایت مصنف تک ثابت ہو، لیکن یہ شرط اس زمانہ میں پوری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس کے بجائے یہ شرط ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ اس کتاب کے مباحث کی تائید دوسری مشہور و متداول کتابوں سے ہوتی ہو، چنانچہ ریٹر نے "مقالات الاسلامیین" کے ہر مبحث کی تائید میں ملل ونحل کی دوسری کتابوں کے حوالے دیے ہیں،

معلوم نہیں مسٹر مکارتھی نے ان شرائط کا کہاں تک لحاظ رکھا ہے۔ اس کے بغیر اس قسم کی کتابوں کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے امام اشعری کی "الابانۃ عن اصول الدیانۃ" جو دائرۃ المعارف حیدر آباد سے پہلی مرتبہ ۱۳۲۱ھ اور دوبارہ ۱۳۶۵ھ میں شائع ہوئی ہے، اہل نظر کے نزدیک مشکوک الصحت ہے، چنانچہ استاذ الکوثری نے تبیین کذب المفتری پر اپنی تعلیقات میں لکھا ہے،

والنسخۃ المطبوعۃ فی الھند من الابانۃ نسخۃ مصحفۃ محرفۃ تلاعبت

بہا الایادی الاثیمۃ فیجب اعادۃ طبعہا من اصل وثیق"۔[2]

یہ اس کتاب کا حال ہے جو ایک مسلمان ادارے اور ایک مسلمان مطبع سے مسلمان مصححین کی نگرانی میں شائع ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں اس کتاب کے متعلق قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں، جو ایک امریکن مشنری نے ایک مسیحی کتب خانہ کے مخطوطہ کی مدد سے ایک مسیحی یونیورسٹی کے

---

[1] مقالات الاسلامیین جلد اول مقدمہ ناشر ص ۵ [2] تبیین کذب المفتری ص ۲۸ حاشیہ: ابانہ کا جو نسخہ ہندوستان میں چھپا ہے وہ ایک ایسے نسخہ سے چھاپا گیا ہے جس میں بہت زیادہ تصحیف و تحریف ہوئی ہے، اس لیے اسے دوبارہ ایک قابل اعتماد نسخہ سے شائع کرنا ضروری ہے۔

زیر سرپرستی ایک کیتھولک پریس سے شائع کی ہے، ہم کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتے لیکن کسی کتاب کی صحت کے لیے ناشرین کی نیک نیتی بھی شرط ہے، جس کی توقع ایک مشنری اور ایک کیتھولک پریس سے نہیں کی جا سکتی ہے۔

گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ شیخ سعدی ایک مکان کرایہ پر لینا چاہتے تھے، اس کا پڑوسی ایک یہودی تھا، اس نے آکر مکان کی بہت زیادہ تعریف کی، شیخ سعدی نے سب کچھ سنکر کہا کہ جی ہاں! اس کی سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ آپ کی ہمسائگی سے سابقہ پڑے گا!! یہی حال مستشرقین کی شائع کردہ کتابوں کا بھی ہے،

"الاشعری کی دینیات" کا سب سے زیادہ قابل قدر حصہ اس کے مداحین کی نظر میں کتاب کا وہ ضمیمہ ہے جس میں امام اشعری کی تصانیف کی فہرست دی گئی ہے، لیکن مجھے مسٹر مکارتھی کی مرتبہ فہرست میں کوئی خاص ندرت نظر نہیں آئی، امام ابو الحسن الاشعری کی تصانیف کی تعداد دو تین سو کے قریب ہے، جیسا کہ ابن عساکر نے تبیین کذب المفتری میں روایت کیا ہے۔

اخبرنی الشیخ ابو القاسم بن نصر	مجھ سے شیخ ابو القاسم بن نصر ابو اعظ نے اپنی
الواعظ فی کتابہ عن ابی المعالی	کتاب میں جسے ابی المعالی بن عبد الملک
بن عبد الملک القاضی قال سمعت	القاضی سے روایت کیا ہے، خبر دی کہ انھوں نے
من اثق بہ قال رأیت تراجم	کہا کہ میں نے ایک قابل اعتماد شخص سے
کتب الامام ابی الحسن الاشعری	سنا کہ میں نے امام ابی الحسن الاشعری کے کتب کے تراجم
فعددتھا اکثر من مائتین وثلثمائۃ مصنف[1]	کو گنا تو وہ دو تین سو سے زائد تھے،

---

[1] تبیین ص ۱۳۶، اس روایت کے بارہ میں یہ کہنا کہ ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ ہو صحیح نہیں ہے، ایک سو کتابوں کے نام تو ابن فورک نے گنائے ہیں، ان کے علاوہ اور کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں، خود ابن فورک نے کہا ہے (باقی صفحہ ۳۴۸ پر)

ان میں سے مسٹر مکارتھی نے ایک سو چھ کتابوں کی فہرست دی ہے، حالانکہ ایک سو پانچ کتابوں کے نام حافظ ابن عساکر نے تبیین کذب المفتری میں بتفصیل ذیل نقل کیے ہیں،

(۱) بہتر[۱] کتابوں کے نام وہ ہیں جو ابن فورک نے امام اشعری کی "کتاب العمد" سے نقل کیے ہیں اور جو امام صاحب نے ۳۲۰ھ تک تصنیف کی تھیں،

(۲) انتیس[۲] کتابوں کے نام "العمد" کے حوالے کے علاوہ ابن فورک سے حافظ ابن عساکر نے نقل کیے ہیں، اور جو امام صاحب نے ۳۲۰ھ کے بعد تصنیف کی تھیں،

(۳) تین[۳] کتابوں کے نام حافظ ابن عساکر کی اپنی دریافت ہیں،

(۴) ایک کتاب "کشف الاسرار و ہتک الاستار" کا ذکر انھوں نے اس مقام پر کیا ہے جہاں امام صاحب کے اعتزال سے تائب ہونے کا واقعہ نقل کیا ہے،

ودفع الکتاب الی الناس فمنها کتاب "اللمع" وکتاب اظهر فیه عوار المعتزلة سماه بکتاب کشف الاسرار وهتک الاستار"[۴]

اور لوگوں کو اپنی کتابیں دیکھنے کے لیے دیں، ان میں سے ایک کتاب اللمع تھی اور ایک دوسری کتاب تھی جس میں معتزلہ کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا تھا، اور اس کتاب کا نام کشف الاسرار و ہتک الاستار تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۷) یہ ان کتابوں کے نام ہیں جو امام اشعری نے ۳۲۰ھ تک تصنیف کی تھیں، لوگوں کو جو لیکچر (امالی) لکھائے یا لوگوں نے مختلف مقامات سے ان کے پاس سوالات بھیجے تھے اور جن کے انھوں نے جوابات دیے ہیں، ان کی تعداد اسکے علاوہ ہے" تبیین صفحہ ۱۳۵ سطر ۱-۳، اور یہ ظاہر ہے کہ امالی و فتاویٰ کی تعداد مستقل اور باضابطہ کتابوں سے کہیں زیادہ ہوا کرتی ہے، اس طرح امام اشعری کی تصانیف کا دو تین سو ہونا مستبعد نہیں بلکہ قرین قیاس ہے۔
[۱] مسٹر مکارتھی نے صرف ۶۹ کتابیں گنائی ہیں لیکن نمبر ۳۰ اور ۵۹ دو دو کتابیں ہیں یک زمانہ اعتزال کی تصنیف اور ایک اعتزال سے تائب ہو جانے کے بعد کی، ایک کتاب "کتاب فی مقالات الفلاسفہ خاصۃ" کا ذکر ہی نہیں کیا، اسی طرح اس ضمن میں بہتر کتابیں ہوتی ہیں [۲] مسٹر مکارتھی نے صرف ۲۶ کتابیں گنائی ہیں لیکن نمبر ۸۳ اور نمبر ۸۰ دو دو کتابیں ہیں، اسکی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی، اس طرح اس ضمن میں انتیس کتابیں آتی ہیں [۳] تبیین ص ۱۳۵ [۴] ایضاً ص ۳۹ سطر ۱۹ مکارتھی کی فہرست میں نمبر ۱۰۶

(۵) ایک اور کتاب "الابانہ عن اصول الدیانہ" کا ذکر انھوں نے تبیین کذب المفتری کے آخر میں کیا ہے، کہ امام ابو عثمان الصابونی جب درس کیلیے تشریف لیجاتے تو الابانہ انکے ہاتھ میں ہوتی،

ان الامام اباعثمان اسماعیل بن عبد الرحمن الصابونی النیسابوری قال ما کان یخرج الی مجلس درسه الا وبیده کتاب الابانة لابی الحسن الاشعری ویظهر الاعجاب به[۱]

امام ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمن الصابونی النیساپوری جب اپنے حلقۂ درس میں تشریف لے جاتے تو امام اشعری کی الدیانہ ان کے ہاتھ میں ضرور ہوتی اور وہ اسکی بہت زیادہ تعریف کیا کرتے تھے،

اس طرح حافظ ابن عساکر نے امام اشعری کی ایک سو پانچ کتابوں کے نام نقل کیے ہیں، ان کے علاوہ مسٹر مکارتھی کی فہرست میں صرف پانچ کتابیں ایسی رہ جاتی ہیں جن کا ذکر تبیین کذب المفتری میں نہیں ہے، اور جن کی دریافت کا سہرا مستشرقین کے سر باندھا جاتا ہے، ان کی نوعیت یہ ہے

۱۔ کتاب التبیین عن اصول الدین: اس کا نام ابن الندیم نے الفہرست میں دیا ہے، اگرچہ خود مسٹر مکارتھی کا خیال ہے کہ "ہو سکتا ہے کہ یہ ابانہ ہو"، اور یہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ "الابانہ عن الدیانہ" اور "کتاب التبیین عن اصول الدین" کا مفہوم ایک ہی ہے، اس لیے یہ ابن عساکر پر کوئی نیا اضافہ نہیں ہے،

۲۔ رسالہ استحسان الخوض فی علم الکلام: (مطبوعہ ۱۳۲۳ھ، ۱۳۴۴ھ) غالباً یہ رسالہ الحث علی البحث ہے[۲]، کیونکہ استحسان الخوض فی علم الکلام اور الحث علی البحث کا ماحصل ایک ہی ہے۔

۳۔ رسالہ کتب بہا الی اہل الثغر بباب الابواب: اسے قوام الدین بک نے جامعہ استنبول

[۱] تبیین ص ۳۸۹ مکارتھی کی فہرست میں نمبر ۱۰۵ [۲] ایضاً

سے شائع کیا ہے[1]۔ غالباً وہی کتاب ہے جس کا نام ابن عساکر نے "جواب مسائل کتب بہا الی اہل الثغر فی تبیین ماسئلوا عنہ من مذہب اہل الحق" بتایا ہے، کتابوں کی تسمیہ میں اس قسم کے اختلافات قدما کے یہاں عام ہیں، چنانچہ ریٹر کی نشر کردہ "مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین" کا نام تعین یا "کتاب فی مقالات المسلمین یستوعب جمیع اختلافاتہم ومقالاتہم" ہے لیکن مقالات الاسلامیین کے پانچ مخطوطات کے نام جن کی مدد سے ریٹر نے اسے اڈٹ کیا ہے، حسب ذیل ہیں:

۱۔ جامع ایاصوفیا کے قدیم نسخہ کا نام ہے "کتاب مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین

ب۔ جامع ایاصوفیا کے دوسرے نسخہ کا نام ہے "کتاب مقالات الاسلامیہ"

ج۔ پیرس کی قومی لائبریری کے نسخہ پر کوئی نام نہیں ہے، کیونکہ وہ اول میں ناقص ہے،

د۔ حیدرآباد کے نسخہ کے صفحہ عنوان پر "الجزء الاول من مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین" مرقوم ہے لیکن خاتمۂ کتاب پر "کتاب المقالات والاختلاف" لکھا ہے،

ہ۔ خواجہ اسماعیل آفندی کے نسخہ کے آخر میں اس کا نام "الملل والنحل غیر الملل والنحل الذی الشہرستانی بل لغیرہ من الافاضل" لکھا ہے، یہ کتاب حافظ ابن تیمیہ کے پیش نظر رہی ہے، اگر انھوں نے ان میں سے کسی کے نام کے ساتھ اسے موسوم نہیں کیا، چنانچہ منہاج السنۃ میں لکھا ہے۔

ومن اجمع الکتب التی رأیتہا فی	اصول الدین میں مختلف لوگوں کے مقالات
مقالات الناس المختلفین فی اصول	میں جامع ترین کتاب جو میں نے دیکھی ہے وہ
الدین کتاب ابی الحسن الاشعری[2]	ابی الحسن الاشعری کی ہے،

ان تصریحات کے بعد بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے مختلف نام ہوا کرتے تھے اس لیے یہ تینوں کتابیں بالترتیب مسٹر مکارتھی کی فہرست کی نمبر ۱۰۵، نمبر ۹ اور نمبر ۹۹ ہیں اور

[1] مقالات الاسلامیین جلد اول مقدمہ ناشر [2] منہاج السنۃ ج اول ص ۷۰

اس لیے انھیں کوئی نیا اضافہ نہیں سمجھا جاسکتا،

۴۔ کتاب الامام: یہ نام حد درجہ مبہم ہے، ہر کتاب کے متعلق "کتاب الامام" کہا جاسکتا ہے ہوسکتا ہے کہ کسی مصنف نے کہیں معہود ذہنی کے طور پر امام اشعری کی کتاب کا (جو غالباً ابن عساکر کی فہرست میں محسوب ہو چکی ہے) کتاب الامام کے نام سے حوالہ دیا ہو۔

۵۔ قول جملۃ اصحاب الحدیث واہل السنۃ فی الاعتقاد: کسی مصرحہ حوالے کے بغیر اسے بھی مستقل نہیں مانا جاسکتا۔

غرض ایک سو چھ کتابوں کی فہرست میں سے جو مسٹر مکارتھی نے دی ہے، ایک سو ایک کتابیں وہ ہیں جن کے نام حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تبیین کذب المفتری میں دیے ہیں، باقی پانچ کا اضافہ جن کی دریافت کا سہرا مستشرقین کے سر ہے، حد درجہ مشکوک ہے، کیونکہ ان کتابوں میں تین کتابیں نام بدل کر شائع ہوئی ہیں جو حقیقۃً وہی ہیں جو ابن عساکر کی فہرست میں مرقوم ہیں اور دو کتابوں کا اضافہ کسی مصرحہ حوالے کے بغیر ناقابل تسلیم ہے،

اس لیے ایک سو ایک کے بعد جو اضافہ ہے، وہ محض بھرتی کا ہے، اور حقیقۃً ان مستشرقین نے حافظ ابن عساکر کی فہرست پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا، لیکن اگر مستشرقین کے اضافے کو مستقل تصانیف بھی مان لیا جائے اور حافظ ابن عساکر کی فہرست سے "الابانہ عن اصول الدیانہ" اور "کشف الاسرار وہتک الاستار" کو جن کا ذکر فہرست کتب کے علاوہ ضمناً ہوا ہے، ساقط کر دیا جائے، تب بھی حافظ ابن عساکر نے کم از کم ایک سو تین کتابوں کی یکجائی فہرست تو دی ہے اور غالباً اس [illegible] تین (حافظ ابن عساکر کی فہرست) اور ایک سو چھ (مسٹر مکارتھی کی فہرست) میں کچھ ایسا فرق نہیں ہے جو مسٹر مکارتھی کے لیے وجہ امتیاز بن سکے،

باقی لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کے لیے ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ تین کتابوں کا ذکر

استاد ابو منصور عبد القاہر البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ کی کتاب الفرق بین الفرق میں ہے جو امام اشعری نے نظام معتزلی کے رد میں لکھی تھیں: "ولشیخنا ابی الحسن الاشعری رحمہ اللہ فی تکفیر النظام ثلثۃ کتب"[1] مگر یہ کوئی اضافہ نہیں ہے، کیونکہ ان تین مجہول الاسم کتابوں کا ذکر حافظ ابن عساکر کی فہرست میں آچکا، ایک جگہ صراحۃً "والفا کتاباً کبیراً فی الصفات ...... علی ...... النظام"[2] اور متعدد جگہ اجمالاً۔

مسٹر مکارتھی نے ان کتابوں کے موضوع تحریر کیے ہیں، مگر وہ اپنے ابہام واغلاق کی وجہ سے چیستاں بن گئے ہیں، جن سے کتاب کے مباحث کے متعلق کسی رہنمائی کے بجائے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، اس کی بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں،

(۱) الفصول: ملاحدہ، فلاسفہ، مادیین، حلولیین اور ان لوگوں کے رد میں جو عالم کو ازلی مانتے ہیں ......[3] اصل میں ہے۔

الفصول فی الرد علی الملحدین و	الفصول ملاحدہ اور ان لوگوں کے رد میں
الخارجین عن الملۃ کالفلاسفۃ	جو اسلام سے خارج ہیں، جیسے فلاسفہ،
والطبائعیین والدھریین	اہل الطبائع (یا مادیین) دہریے مشبہ
واھل التشبیہ والقائلین بقدم	اور زمانہ کو قدیم ماننے والے ......
الدھر ......[4]	. . . .

جن لوگوں نے تاریخ ملل اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ "اہل التشبیہ" اور "حلولیین" میں بہت بڑا فرق ہے، اول الذکر وہ فرقہ ہے جو خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف گردانتا ہے اور

[1] الفرق بین الفرق ص ۱۱۵: اور ہمارے شیخ امام ابی الحسن الاشعری نے نظام کی تکفیر میں تین کتابیں لکھی ہیں۔

[2] تبیین صفحہ ۱۲۹ سطر ۱۳ - ۱۵ [3] معارف صفحہ ۲۹۶ سطر ۱۹ (یہاں اور آئندہ معارف سے مراد معارف بابتہ اکتوبر ۱۹۵۵ء ہے) [4] تبیین صفحہ ۱۳۵ سطر ۱ - ۱۸

ثانی الذکر وہ جو مخلوق کو خالق کی الوہیت کا اوتار (Incarnation) مانتا ہے، اور ان دونوں میں بعد المشرقین ہے، چنانچہ امام عبد القاہر البغدادی نے الفرق بین الفرق کے باب ثالث کی فصل ثامن میں فرمایا ہے،

الفصل الثامن فی بیان المشبھۃ	آٹھویں فصل فرقہ مشبہ کے مختلف فرقوں کے ذکر
من اصناف شتی: اعلموا اسعدکم	میں: جاننا چاہیے، اللہ تعالیٰ آپ کو نیکبخت
اللہ ان المشبھۃ صنفان، صنف	بنائے کہ مشبہ کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ
شبھوا ذات الباری بذات غیرہ	جو ذات باری کو غیر باری کی ذات سے تشبیہ
وصنف اخرون شبھوا صفاتہ	دیتے ہیں اور دوسری قسم وہ جو اسکی صفات
بصفات غیرہ ...... فمنھم البیانیۃ	کو غیر باری کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں،
اتباع بیان بن سمعان الذی زعم	...... ان میں سے ایک بیانیہ ہیں جو بیان
ان معبودہ انسان من نور علی	ابن سمعان کے تبع ہیں جو گمان کرتا تھا کہ اسکا
صورۃ الانسان فی اعضائہ	معبود نور کا انسان بشکل انسانی ہے، تمام اعضاء
وانہ یفنی کلہ الا وجھہ	ہیں اور وہ سوائے چہرہ کے سب فنا ہو جائیگا
ومنھم المغیریۃ ...... زعم ان	...... اور ان میں سے ایک مغیریہ ہیں ......
معبودہ ذو اعضاء	یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا معبود اعضاء والا
ومنھم الکرامیۃ فی دعواھا ان	ہے ...... اور ان میں سے کرامیہ ہیں، انکا
اللہ تعالیٰ جسم لہ حد ونھایۃ	دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اسکی حد ونہایت
وانہ محل الحوادث وانہ مماس	ہے اور وہ حوادث کا محل ہے اور وہ اپنے
لعرشہ ...... فھؤلاء مشبھۃ	عرش سے ماس ہے ...... پس یہ اللہ تعالیٰ کو

عربی	اردو
الله تعالیٰ بخلقه فی ذاته فاما	خلق سے ذات میں تشبیہ دینے والے ہیں اور
المشبهة لصفاته بصفات	اس کی صفات کو مخلوق کی صفات سے
المخلوقین فاصناف منهم شبهوا	تشبیہ دینے والوں کی بھی کئی قسمیں ہیں، ان میں
ارادة الله تعالیٰ بارادة خلقه	سے ایک وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارادے کو
...... ومنهم الذین شبهوا	اس کی مخلوق کے ارادے سے تشبیہ دیتے ہیں
کلام الله عز وجل بکلام خلقه	...... اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو اللہ
.... [1]	عز وجل کے کلام کو انکی خلق کے کلام سے تشبیہ دیتے ہیں

یہ فصل فرقہ مشبہہ کے ذکر میں ہے، لیکن فرقہ حلولیہ کا ذکر انھوں نے چوتھے باب میں فرمایا ہے:

عربی	اردو
الفصل التاسع من هذا الباب	اس باب کی نویں فصل حلولیہ کے مختلف
فی ذکر اصناف الحلولیة وبیان	اصناف کے ذکر میں اور انکے دائرۂ اسلام
خروجها من فرق الاسلام ـ	سے خارج ہونے کے بیان میں ہے، حلولیہ
الحلولیة فی الجملة عشر فرق	کل دس فرقے ہیں...... سبابیہ حلولیہ
...... اما السبابیة فانما دخلت	میں اس وجہ سے داخل ہیں کہ وہ کہتے ہیں:
فی جملة الحلولیة لقولها بان	کہ حضرت علیؓ خدا ہو گئے کیونکہ خدا کی روح
علیا صار الٰهاً بحلول روح الله	ان میں حلول کر گئی تھی، اسی طرح بیانیہ
فیه ـ وکذالك البیانیة زعمت	کا گمان ہے کہ خدا کی روح انبیا اور اماموں
ان روح الاله دارت فی الانبیاء	میں گردش کرتی رہی یہاں تک کہ
والائمة حتی انتهت الی علی....	حضرت علیؓ تک پہونچی......

[1] الفرق بین الفرق ص ٢١٤ - ٢١٧

عربی	اردو
ثم دارت بعده فی بیان بن سمعان	پھر بیان بن سمعان میں حلول کر گئی،
...... وکذالك الجناحیة منهم	...... اسی طرح جناحیہ ان میں سے حلولیہ
حلولیه لدعواها روح الاله	ہیں، کیونکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا کی
دارت فی علی واولاده .... فلکفر	روح حضرت علیؓ اور انکی اولاد میں گردش کرتی
بدعواها حلول الاله فی زعیمها	رہی...... پس انھوں نے یہ دعویٰ کرکے کہ اللہ تعالیٰ
..... والشریعیة والنمیریة	انکے پیشوا میں حلول کر گیا، کفر کیا......
منهم حلولیه لدعواها ان روح	اور شریعیہ اور نمیریہ ان میں سے حلولی ہیں،
الاله حلت فی خمسة اشخاص	کیونکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا کی روح
النبی وعلی وفاطمه والحسن والحسین	پانچ اشخاص یعنی نبی، علی، فاطمہ، حسن اور حسین
..... واما المقنعیة کان زعیمهم	میں حلول کر گئی...... اور مقنعیہ تو ان کا
المعروف بالمقنع .... زعم	پیشوا ایک شخص مسمی بالمقنع تھا...... اپنے
لاتباعه انه هو الاله وانه	پیرووں کے لیے گمان کیا کرتا کہ وہ خدا ہے
قد تصور مرة فی صورة آدم	اور یہ کہ ایک مرتبہ اس نے حضرت آدمؑ
ثم تصور فی وقت آخر بصورة	کی صورت اختیار کی پھر دوسری مرتبہ
نوح ...... ثم انه زعم انه فی	حضرت نوحؑ کی،، پھر اس نے گمان کیا کہ
زمانه الذی کان فیه قد تصور	اپنے زمانہ میں وہ ہشام بن حکیم کی صورت
بصورة هشام بن حکیم وکان	میں نمودار ہوا، اور اس کا نام ہاشم بن
اسمه هاشم بن حکیم......	حکیم تھا،...... اور حلمانیہ حلولیہ سے
واما الحلمانیة من حلولیه...	ہیں،...... وہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ

انه كان يقول بحلول الاله في الاشخاص الحسنة وكان هو واصحابه اذا راوا صورة حسنة سجد والها يوهمون ان الاله قد حل فيها[1]

کی روح خوبصورت شخصوں میں حلول کر جاتی ہے، اور وہ اور اس کے پیرو جب کسی اچھی صورت کو دیکھتے تو سجدہ کرتے اور یہ وہم کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس میں حلول کر گیا ہے۔

غالباً اس تصریح کے بعد تشبیہ اور حلول کا فرق معلوم ہوگیا ہوگا، مگر مسٹر مکارتھی نے اور اس کی تقلید میں بیدار صاحب نے "اہل التشبیہ" کو "حلولیین" بنا دیا۔

(۳) کتاب فی خلق الاعمال: معتزلہ اور قدریہ کے عقیدہ خلقِ اعمال کے رد میں[2]،

معتزلہ اور قدریہ اور عقیدہ خلق اعمال؟ یہ بھی ایک رہی، اور اس پر امام اشعری کا رد گویا کہ وہ عقیدہ خلق اعمال کے منکر تھے، اصل میں ہے:

والفنا كتابا في خلق الاعمال نقضنا فيه اعتلالات المعتزلة والقدرية في خلق الاعمال وكشفنا عن تمويههم في ذالك[3]

ہم نے عقیدہ خلق اعمال کے اثبات میں ایک کتاب تصنیف کی جس میں معتزلہ اور قدریہ جو عقیدہ خلق اعمال کے خلاف دلائل قائم کیا کرتے تھے اس کا رد کیا ہے اور اس باب میں ان کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

یہ تو امام اشعری اپنی کتاب کا موضوع بتاتے ہیں، مگر مسٹر مکارتھی نے اس کو بالکل ہی الٹا کر دیا ہے کہ معتزلہ و قدریہ عقیدہ خلق اعمال کے قائل تھے، اور امام اشعری نے عقیدہ خلق اعمال کا رد کیا ہے۔

---

۱ الفرق بین الفرق ص ۲۴۱ - ۲۴۵ ۲ معارف ص ۲۹۷ سطر ۶ ۳ تبیین ص ۱۲۹ سطر ۹ - ۱۱

شرح المواقف میں ہے،

فيكون فعل العبد مخلوقا لله تعالى ابداعا واحداثا ومكسوبا للعبد .... وهذا مذهب الشيخ ابي الحسن الاشعري

پس بندہ کا فعل باعتبار ابداع و احداث (نو پیدا ساختن) اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہوگا اور بندے کا کسب کیا ہوا .... اور یہ شیخ ابوالحسن الاشعری کا مذہب ہے،

اسی طرح امام عبد الکریم الشہرستانی نے الملل والنحل میں امام اشعری کے مسلک کے ضمن میں افعال عباد کے متعلق ان کا مذہب اس طرح نقل کیا ہے،

وارادته واحدة قديمة ازلية متعلقة بجميع ...... افعال عباده من حيث انها مخلوقة[1] يسمى هذا الفعل كسبا فيكون خلقا من الله تعالى ابداعا واحداثا وكسبا من العبد حصولا تحت قدرته[2]

اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ واحد ہے جو قدیم اور ازلی ہے اور جو متعلق ہے ...... اسکے بندوں کے تمام افعال کے اس حیثیت سے کہ وہ افعال مخلوق ہیں۔ اس فعل کا نام کسب کہا جاتا ہے پس یہ فعل بحیثیت ابداع و احداث اللہ تعالیٰ کی جانب سے خلق کیا ہوا ہوتا ہے اور بندے کا کسب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت حصول کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح امام عبد القاہر البغدادی نے الفرق بین الفرق میں اشاعرہ کے مذہب کے متعلق لکھا ہے،

انه (ای الله) خالق اكساب العباد ولا خالق غير الله خلاف قول من زعم من القدرية ان الله تعالى لم يخلق شيئا من اكساب العباد[3]

وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) بندوں کے افعال کا خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی خالق نہیں ہے، برخلاف قدریہ کے ایک گروہ کے قول کے جن کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے افعال میں سے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔

---

۱ الملل والنحل للشہرستانی جلد اول ص ۴۲ ۲ ایضاً ص ۴۳ ۳ الفرق بین الفرق ص ۳۲۷

اسی طرح امام رازی نے الاربعین فی اصول الدین میں فرمایا ہے

الفرقة الرابعة الذين يقولون لا تأثير لقدرة العبد فی الفعل وفی صفة من صفات الفعل بل الله تعالی یخلق الفعل ویخلق قدرة متعلقة بذلک الفعل ولا تأثير لتلك القدرة البتة فی ذلک الفعل وهذا قول ابی الحسن الاشعری[1]

فرقہ چہارم وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ بندے کی قدرت کی فعل یا فعل کی صفات میں سے کسی صفت میں کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی نے فعل کو پیدا کیا ہے اور اس سے متعلق جو قدرت ہوتی ہے اسے پیدا کرتا ہے اور اس قدرت کی اس فعل میں کوئی تاثیر نہیں ہے، اور یہ امام ابو الحسن الاشعری کا قول ہے۔

اور خود امام ابو الحسن الاشعری اپنی کتاب "الابانہ عن اصول الدیانہ" میں اپنا مذہب تحریر فرماتے ہیں کہ

وانه لا خالق الا الله وان اعمال العباد مخلوقة مقدرة كما قال خلقكم وما تعملون[2]

اور اللہ تعالی کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور بندوں کے اعمال مخلوق ہیں مقدر ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالی نے فرمایا ہے: اللہ تعالی نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے اعمال کو،

اس کے برعکس معتزلہ و قدریہ خود انسان کو اپنے افعال کا موجد سمجھتے تھے، شرح مواقف میں ہے:

وقالت المعتزلة ای اکثرهم وهی (یعنی افعال العباد الاختیاریة) واقعة بقدرة العبد وحدها علی سبیل الاستقلال بلا ایجاب بل اختیار[3]

اور معتزلہ نے یعنی اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ (یعنی بندوں کے اختیاری افعال) صرف بندوں کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں استقلالاً بغیر کسی چیز کے واجب لازم کیے ہوئے بلکہ اپنے ذاتی اختیار سے!

اسی طرح امام عبد القاہر البغدادی نے معتزلہ کے اصول میں لکھا ہے۔

ومنها قولهم جميعا بان الله تعالی غير

اور معتزلہ کے مخصوص عقائد میں سے ان سب کا قول ہے کہ

۱؎ الاربعین للامام الرازی ص ۲۲۸ ۲؎ الابانہ للامام الاشعری ص ۶

خالق لاكتساب الناس ولا لشیء من اعمال الحیوانات[1]

اللہ تعالی انسانوں کے کسی فعل کا پیدا کرنے والا نہیں ہے اور حیوانات کے اعمال میں سے کسی چیز کا پیدا کرنے والا ہے،

اسی طرح امام رازی نے المحصل میں لکھا ہے

وزعم الجمهور من المعتزلة ان العبد موجد لافعاله لا علی نعت الایجاب بل علی صفة الاختیار[2]

جمہور معتزلہ نے گمان کیا ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا پیدا کرنے والا ہے، اس طور پر نہیں کہ وہ ایسا کام کرنے پر مجبور ہو بلکہ اپنے ذاتی اختیار سے۔

اور خود امام اشعری نے "الابانہ" میں معتزلہ اور قدریہ کے متعلق لکھا ہے،

وزعموا انهم ینفردون بالقدرة علی اعمالهم دون ربهم فاثبتوا لانفسهم الغنی عن الله عز وجل ووصفوا انفسهم بالقدرة علی ما لم یصفوا الله عز وجل بالقدرة علیه[3]

اور معتزلہ نے گمان کیا کہ وہ اپنے اعمال پر بغیر اپنے پروردگار کے قدرت رکھنے میں منفرد ہیں، پس انھوں نے اپنی ذات کے واسطے اللہ تعالی سے بے پروائی کو ثابت کیا اور اپنے نفس کو اس چیز پر قدرت رکھنے کے ساتھ متصف کیا جس قدرت کے ساتھ وہ اللہ عزوجل کی ذات کو متصف کرتے ہیں،

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اشعری خلق اعمال کے قائل تھے یعنی یہ کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے اعمال کو خلق فرمایا ہے، یہی سلف صالحین کا عقیدہ تھا، چنانچہ امام بخاری نے "خلق افعال عباد" کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، اسکے علاوہ اپنی "صحیح" میں متعدد آیات و احادیث کی توضیح کے لیے ابواب قائم کیے ہیں، جن کا مقصد فرقہ معتزلہ کا رد ہے، اہل سنت والجماعت کے مقابلے میں معتزلہ و قدریہ بندہ کو اپنے افعال کا موجد بالاستقلال مانتے تھے، اور اہل سنت کے موقف کے خلاف دلائل قائم کرتے تھے، چنانچہ ان کے دلائل کو قاضی عضد الدین الایجی نے مواقف کے موقف خامس مرصد سادس مقصد اول

۱؎ الفرق بین الفرق ص ۹۴ ۲؎ المحصل ص ۱۴۱ ۳؎ الابانہ ص ۴

میں اور امام رازی نے المحصل (ص ۱۴۱-۱۴۴) میں اور اربعین میں (ص ۲۳۳-۲۳۷) میں تفصیل بیان کیا ہے، اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے، لیکن اس تفصیل و تبصرہ کا اکثر حصہ امام اشعری سے ماخوذ ہے جس کا کچھ حصہ انھوں نے "الابانہ" (ص ۵۶-۷۴) میں بیان کیا ہے۔

غرض امام اشعری سلف صالحین کی طرح خلق اعمال کے قائل تھے، اور معتزلہ و قدریہ اس کے منکر، اور امام صاحب نے اس کتاب میں منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، مگر مسٹر مکارتھی یہ سمجھے کہ معتزلہ و قدریہ خلق اعمال کے عقیدے کے معتقد تھے اور امام اشعری نے اس کتاب میں اس عقیدہ کا رد کیا ہے[1]

(۴) کتاب کبیر فی استطاعت: اس میں استطاعت کے بارے میں معتزلہ کے دلائل رد کیے ہیں۔

اصل میں ہے:

والفنا کتابا کبیرا فی الاستطاعة علی المعتزلة نقضنا فیه استدلالهم علی انها قبل الفعل ومسائلهم وجوابهم[2]	ہم نے معتزلہ کے علی الرغم استطاعت کے موضوع پر ایک مبسوط کتاب تصنیف کی جس میں معتزلہ کے ان دلائل کا رد کیا ہے جو وہ "الاستطاعت قبل الفعل" پر قائم کیا کرتے ہیں اور اس میں انکے سوالات ہیں اور انکے جوابات ہیں،

کیا یہ مفہوم اس گمراہ کن ترجمے سے ادا ہو جاتا ہے؟ کیا اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ معتزلہ استطاعت قبل الفعل کے قائل تھے یا استطاعۃ مع الفعل کے اور اشاعرہ کا مسلک کیا ہے اور انھوں نے کس بات کی تردید کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ "استطاعۃ" کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے، چنانچہ صرف اس مسئلے پر معتزلہ کے مذاہب کو امام ابو الحسن الاشعری نے "مقالات الاسلامیین" جلد اول کے ص ۲۲۹ سے ص ۲۴۲ تک نقل کیا ہے، اس سلسلے میں متعدد سوالات قائم ہوتے ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ استطاعۃ فعل کے پہلے ہوا کرتی ہے یا بعد میں، ان دو شقوں میں سے معتزلہ نے پہلی شق کو اختیار کیا تھا، اور اسی پر ان کا

---

[1] معارف ص ۲۹۷ سطر ۷-۸ [2] ابانہ ص ۱۲۶ سطر ۱۱-۱۴

اجماع تھا، چنانچہ امام اشعری نے "مقالات الاسلامیین" میں لکھا ہے:

واجمعت المعتزلة علی ان الاستطاعة قبل الفعل وهی قدرة علیه وعلی ضده وهی غیر موجبة للفعل[1]	معتزلہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ استطاعت قبل فعل کے ہوا کرتی ہے اور استطاعت کے معنی فعل پر اور اسکی ضد پر قدرت کے ہیں اور استطاعت فعل کی موجب نہیں ہوا کرتی۔

اس کے مقابل اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ استطاعۃ فعل کے ساتھ ہوا کرتی ہے، چنانچہ خود امام اشعری نے "الابانہ" میں لکھا ہے،

وان احدا لا یستطیع ان یفعل شیئا قبل ان یفعله[2]	اور کوئی شخص کسی کام کو کرنے کی اس کے کرنے سے پہلے استطاعت نہیں رکھتا

اور یہی عامۂ اہل سنت والجماعت کا موقف ہے، عقائد نسفی میں ہے

والاستطاعة مع الفعل خلافا للمعتزلة	اور استطاعہ فعل کیساتھ ہوا کرتی ہے برخلاف معتزلہ کے عقیدے کے۔

غرض اس مبسوط کتاب میں امام اشعری نے معتزلہ کے نظریہ کا کہ استطاعت فعل سے قبل ہوا کرتی ہے، رد کیا ہے، مگر مسٹر مکارتھی نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "استطاعۃ" بھی "المنزلۃ بین المنزلتین" یا "تولد" کی قسم کا کوئی مسئلہ تھا جو صرف معتزلہ کے ساتھ مختص تھا، اور امام اشعری نے اس کا سرے سے انکار کرکے اس کا رد کیا ہے۔ (باقی)

---

[1] مقالات الاسلامیین ص ۲۳۰ [2] الابانہ ص ۶ [3] معارف ص ۲۹۷ سطر ۹-۱۲

اطلاع برائے خریداران معارف

ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے خریداران معارف کی خدمت میں عرض ہے کہ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط وکتابت اور ارسال زر کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل مشکل ہوگی۔ **مینیجر**

سہیلؔ مرحوم اور نعت نبویؐ

شاہ معین الدین احمد ندوی

یہ مضمون شبلی کالج کے یوم اقبال کے موقع پر پڑھا گیا تھا، ماہ مبارک ربیع الاول کی تقریب میں اس کو شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

قدرت نے مولوی اقبال احمد خاں سہیل مرحوم کو ایسی غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی تھیں، جو ہزاروں لاکھوں انسانوں میں کہیں دو چار خوش قسمتوں کے حصہ میں آتی ہیں، وہ صحیح معنوں میں عبقری یا جینیس تھے، ان میں ذہانت و ذکاوت، علمی قابلیت اور قوتِ حافظہ وہ تمام استعدادیں بدرجۂ کمال موجود تھیں، جو کسی انسان کو بڑا بنانے کے لیے کافی ہیں، اگر وہ ان سے صحیح کام لیتے تو ہندستان کے نامور فضلاء میں ان کا شمار ہوتا، لیکن یہ علم و ادب کی بدنصیبی ہے کہ یہ صلاحیتیں غلط مصرف میں صرف ہوئیں، اور جو لعل شب چراغ پوری علمی دنیا کو منور کر سکتا تھا وہ شاعری کی شمع محفل بن کر رہ گیا، اور شاعری کو بھی انھوں نے مستقل مشغلہ نہیں بنایا بلکہ اس کی حیثیت محض وقتی دلچسپی کی تھی، اسکے باوجود انھوں نے اس کی جو یادگاریں چھوڑی ہیں وہ اردو زبان میں زر و جواہر کی حیثیت رکھتی ہیں،

سہیل مرحوم کی فطرت شاعرانہ تھی، ان کی نثر بلکہ روزانہ کی گفتگو بھی شاعرانہ نکتہ سنجیوں سے خالی نہ ہوتی تھی، ان کی ذہانت اور علمی قابلیت نے اس شراب کو اور دو آتشہ کر دیا تھا، ان کو اردو فارسی، عربی تینوں زبانوں میں پورا عبور حاصل تھا، اور وہ ان کے ادا شناس تھے، فن کے نکتوں پر بھی ان کی نگاہ بڑی گہری تھی، اسلیے جملہ اصنافِ سخن پر ان کی حکمرانی یکساں تھی، مگر قصیدہ نگاری سے خاص مناسبت تھی، اور اس میں ان کا کوئی حریف نہ تھا، اور ان کے کمال کا اصلی تماشا گاہ یہی ہیں، اس مضمون میں اس کی ایک صنف یعنی نعت گوئی پر مختصر تبصرہ مقصود ہے، نعت کہنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی، محض شاعری کی زبان میں ذات پاک نبویؐ کی عامیانہ توصیف کر دینا بہت آسان ہے، لیکن اس کے پورے لوازم اور شرائط سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے، نعت دراصل محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاعرانہ توصیف کا نام نہیں، بلکہ نبوت کے حقیقی کمالات کی ایسی مصوری کا نام ہے، جس سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہو، اس کے لیے دل کی مستی اور دماغ کی ہوشیاری دونوں ضروری ہیں، یعنی حُب رسول کے ساتھ نبوت کے اصلی کمالات اور کارناموں، اسلام کی صحیح روح، عہد رسالت کے واقعات اور آیات و احادیث سے واقفیت ضروری ہے جو کم شعراء کو ہوتی ہے، اس کے بغیر صحیح نعت گوئی ممکن نہیں ہے،

نعت کا راستہ بڑا نازک ہے، اس میں ادنیٰ لغزش سے نیکی برباد گناہ لازم آجاتا ہے، اسلیے اس پل صراط کو عبور کرنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں، یہ وہ بارگاہ قدس ہے جہاں قدم رکھتے بڑے بڑے قدسیوں کے پاؤں لرز جاتے ہیں، ع

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اور عرفی جیسے شاعر کو یہ کہنا پڑا

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست　　آہستہ کہ رہ، بردمِ تیغ است قدم را

ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن　　نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

اس راہ میں سب سے بڑی لغزش الوہیت اور نبوت کے حدود کو سمجھنے میں ہوتی ہے، اکثر شعرا نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملا دیتے ہیں، مثلاً یہ

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر　　اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

نعت کا بڑا مشہور و مقبول شعر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ شعر نہ صرف توحید کے سراسر منافی بلکہ نبوت کی حقیقت کے بھی خلاف ہے، ایک طرف یہ افراط و غلو ہے اور دوسری طرف یہ تفریط اور سوء ادب ہے کہ بعض شعراء ذات پاک نبوی صلعم کے ساتھ عقیدت و محبت کے اظہار میں وہی پیرایہ اختیار کرتے ہیں جو دنیاوی بلکہ بازاری معشوقوں کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، اور اس عیب سے اردو کی کم نعتیں خالی ہیں،

درحقیقت ذات پاک محمدی عبدیت و نبوت کا ایسا برزخ کبری ہے جس پر دونوں کے کمالات ختم ہو گئے، اس لیے جو تصور بھی ان دونوں کے منافی ہو گا، اس کا انتساب آپ کی جانب سخت گمراہی ہے، اس قسم کی لغزشیں زیادہ تر صحیح اسلامی تصورات سے ناواقفیت اور غلو کا نتیجہ ہوتی ہیں، نبوت اور عبدیت کا کمال اس میں نہیں ہے کہ بندے اور نبی کو خدا بنا دیا جائے، بلکہ انکا اصلی کمال یہ ہے کہ نبی جامۂ بشریت میں رہتے ہوئے عبدیت اور نبوت کا ایسا کامل اور اکمل نمونہ ہو، اس کے بعد کمال کا کوئی درجہ تصور میں نہ آ سکے، اور یہ صرف نبوت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دنیا کی ہر چیز کا اصل کمال یہی ہے کہ وہ اپنی جنس کا کامل ترین نمونہ ہو،

پھر نبوت کا درجہ خود اتنا بلند ہے اور وہ انسانیت کی اتنی بڑی معراج ہے کہ انسان اسی کی توصیف سے قاصر ہے، اور انبیاء علیہم السلام میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اتنا ارفع و اعلیٰ ہے اور آپ کے کارنامے ایسے عظیم الشان ہیں کہ اگر بڑے سے بڑا شاعر ان ہی کو دکھانا چاہے تو اس کو آخر میں اپنے عجز و درماندگی کا اقرار کرنا پڑے گا کہ

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　　ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اس لیے آپ کیجانب غیر حقیقی کمال کے انتساب کی ضرورت ہی نہیں، حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے کیسی مختصر اور جامع نعت کہدی ہے جس پر بڑی بڑی نظمیں قربان کیجا سکتی ہیں،

بلغ العلیٰ بکمالہ　　　کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ　　　صلو علیہ وآلہ

سہیل مرحوم نبوت کے عظمت شناس تھے، ان کی نظر ان تمام پہلوؤں پر تھی، اس لیے انکے قلم سے اس قسم کی کوئی لغزش نہیں ہونے پائی ہے، اور اردو میں ان کی نعتیں نعت نبوی کا صحیح نمونہ ہیں، ان میں الوہیت کی تجرید و تنزیہ نبوت کی عظمت و جلالت، خصائص و کمالات محمدی ہر چیز اپنے اپنے درجہ پر رہتی ہے اور وہ اسلامی روح سے اس قدر معمور ہوتی ہیں کہ ان سے مذہب کا درس لیا جا سکتا ہے، اسی کے ساتھ ان کی حیثیت محض واقعہ نگاری کی نہیں ہوتی، بلکہ وہ فکر و تخیل کی جدت و ابداع الفاظ کے حسن و نفاست، ترکیبوں کی مرصع کاری و خوشنمائی اور زبان و بیان کی دلکشی و رعنائی کے اعتبار سے شعر و ادب کا نگارخانہ ہیں،

نعت ان کی شاعری کا خصوصی موضوع نہیں ہے، بلکہ انھوں نے دوسرے اصناف سخن کی طرح چند نعتیں بھی کہی ہیں، ان میں اصل نعتیں دو ہی ہیں، باقی چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں، لیکن یہ انکا کمال ہے کہ نعت کا پورا عطر اور جوہر ان دو نعتوں میں کھینچ دیا ہے، جس کی خوشبو سے مشام جان معطر ہو جاتا ہے، وہ کونسا نغمہ لاہوتی ہے، جو اس ساز میں نہیں جسے سنکر ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، ان کی نعتوں کے جلوے اتنے رنگا رنگ ہیں کہ اس مختصر مضمون میں ان سب کا دکھانا مشکل ہے، اس لیے صرف ان کی ایک ایک جھلک دکھلانے کی کوشش کیجائیگی،

نعت کا موضوع محدود و متعین ہے، اس لیے اس کے مضامین بھی مشترک ہوتے ہیں، مگر سہیل ان میں ایسی جدت و ندرت پیدا کر دیتے ہیں کہ پرانا خیال بھی نیا معلوم ہونے لگتا ہے، نور محمدی کی تخلیق کی مصلحت میں شعراء نے بڑی بڑی بلند پروازیاں دکھائی ہیں، سہیل کی کچھ نکتہ سنجیاں ملاحظہ ہوں، یہ ایک حقیقت ہے کہ بزم شہود ازل سے قائم تھی، جمال سرمدی بھی جلوہ آرا تھا، مگر اس کے مشاہدہ کیلئے جس چشم بصیرت کی ضرورت تھی، اس سے عالم انسانیت محروم تھا، کائنات کی حقیقت ایک معمہ تھی،

انسان خود اپنی حقیقت سے نا آشنا تھا، کائنات کے حقایق اوہام و التباس کے حجابات میں مستور تھے، عقل شکستہ پا ان کے ادراک سے عاجز تھی، اس کے لیے ایسے عشق بیتاب کی ضرورت تھی، جو ان تمام حجابوں کو چاک کر کے حسن حقیقت کا جلوہ عام اور عالم انسانیت کو اس کے نور سے معمور کر دے، یہ عشق نور محمدی کی شکل میں ظاہر ہوا، جس نے دائرۂ وجود کی دونوں کمانوں کو ملا دیا، دیکھیے ان نازک مسائل کو سہیل نے کس خوبصورتی سے نظم کیا ہے،

مکتبِ عشق میں ہنوز طفل خرد ہے مبتدی ۔۔۔ ورنہ ہے باصرہ نواز جلوۂ حسن سرمدی

عقل ضعیف ہو کہاں کنہ ازل کی رازداں ۔۔۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بے خردی ہے بخردی

دل کا کبھی گذر نہ ہو حسن کی بزم ناز تک ۔۔۔ دفتر عقل اگر نہ ہو غرقِ شرابِ بیخودی

عشق نے فاش کر دیا سرِ حریم کبریا ۔۔۔ ورنہ یہ خاکدان تھا فانی عدم ممدد

عشق وہ ہے جو کھولدے پردۂ راز کائنات ۔۔۔ فرق نیاز کو ملے جس سے عروج فرقدی

عشق سے جگمگا اٹھے صفحۂ جان اس طرح ۔۔۔ جیسے خطِ شعاع سے یہ ورقِ زبرجدی

پردۂ عشق میں ملا حسن کو خلعتِ ظہور ۔۔۔ پوری ہوئی جو بات تھی صبح ازل کہی ہدی

ہو گئی دل کی جلوہ گاہ مطلع حسن لاالٰہ ۔۔۔ تا تو چو ماہ نیم ماہ سر زد حجاب بر زدی

دائرۂ وجود کی دونوں کمانیں مل گئیں ۔۔۔ بندہ و کردگار ہیں تیر اقدوم سرحدی

اس کے بعد بعثتِ نبوی کی منزل آتی ہے، اس سے پہلے رحمۃ للعالمین کی عظمت و جلالت اور ان کے علوے منزلت کی تصویر دیکھ لیجیے،

کہاں کا دشت ایمن طور کیا برق تجلی کیا ۔۔۔ یہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفےٰ کی پرتو افشانی

محمد وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی ۔۔۔ محمد وہ حریم قدس کا شمعِ شبستانی

محمد یعنی وہ حرف نخستیں کلک فطرت کا ۔۔۔ محمد یعنی وہ امضائے توقیعات ربانی

وہ فاتح جس کا پرچم اطلسِ زنگاری گردوں ۔۔۔ وہ امی جسکے آگے عقل کل طفل دبستانی

وہ سلطان الامم فخر دو عالم برزخ کبریٰ ۔۔۔ رسالت جسکی تصدیقی جلالت جسکی اذعانی

بشر جسکی بعثت کا ظہور عیسیِ مریم ۔۔۔ مصدق جسکی عظمت کا لب موسیِ عمرانی

تراشا جسکے ناخن کا ہلالِ آسماں منزل ۔۔۔ غسالہ جسکے تلووں کا زلال آب حیوانی

تعالی اللہ جمالِ مصطفےٰ کا حسن لاثانی ۔۔۔ کہ یکساں جمع ہیں جسمیں تمام اوصاف امکانی

دعائے یونسی خلق خلیلی صبر ایوبی ۔۔۔ جلالِ موسوی زہد مسیحی حسن کنعانی

آپ کے اوصاف و کمالات اور خصوصیات محمدی کا دوسرا مرقع ملاحظہ ہو۔

احمد مرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔ مظہر اول مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسم مزکی روح مصور قلب مجلی نور مقطر ۔۔۔ حسن سراپا خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

طینت جسکی سب سے مطہر بعثت جسکی سب سے موخر ۔۔۔ خلقت جسکی سب سے مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

جسکی ہراول فوج سلیماں جسکے منادی موسیٰ عمراں ۔۔۔ جس کے مبشر عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

جسکا نام اچھالے وادہ آپ رفعنا لک فرما کر ۔۔۔ بزم تجلی جس کا مخیم صلی اللہ علیہ وسلم

جتنے فضائل جتنے محاسن ممکن ہیں ہو سکتے تھے ممکن ۔۔۔ حق نے کیے سب آپ میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم

علم لدنی شان کریمی خلق خلیلی نطق کلیمی ۔۔۔ زہد مسیحا عفتِ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اگر مقصود نہ ہوتے کون و مکاں موجود نہ ہوتے ۔۔۔ اور موجود نہ ہوتے آدم صلی اللہ علیہ وسلم

اوجِ شرف کا بدر وہی ہے بزم رسل کا صدر وہی ہے ۔۔۔ بدر منور صدر مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

صدر امم سلطانِ مدینہ وہ جسکے کف پا کا پسینہ ۔۔۔ گل کدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد بعثت نبوی اور نبوت کے کارناموں کا مرقع سجایا ہے، مگر اس سے پہلے بعثت نبوی کے وقت دنیا کی حالت پر ایک نظر ڈال لیجیے، یہ محض افسانہ اور خوش اعتقادی نہیں بلکہ تاریخی حقیقت ہے کہ

بعثت نبوی سے پہلے ساری دنیا میں ایک عام تاریکی چھائی ہوئی تھی، خداشناسی کا کہیں وجود نہ تھا، انسان جس کے سر پر اشرف المخلوقات کا تاج رکھکر نیابت الٰہی کے منصب جلیل سے سرفراز کیا گیا تھا اور ساری مخلوق اس کے تابع فرمان بنائی گئی تھی، اس نے شجر و حجر تک کو اپنا معبود بنا لیا تھا، جس چیزسے بھی اس کو فائدہ کی امید یا نقصان کا خطرہ تھا، اس کے سامنے اس کی جبین عبودیت سجدہ ریز ہوگئی تھی، اخلاق و روحانیت اور عدل و مساوات کا نام و نشان تک باقی نہ تھا، ہر کمزور طاقتور انسان کا غلام تھا، بڑائی کا معیار اخلاق و تقوی کے بجائے نسلی و مالی برتری تھی، خدا کا کنبہ جغرافی اور قبائلی حد بندیوں میں بٹا ہوا تھا، مذہب بھی تعیش اور حصول اقتدار کا ذریعہ بن گیا تھا، مذہبی پیشواؤں کو خدائی کا درجہ حاصل تھا، عورتوں کی کوئی حیثیت نہ تھی، وہ سارے انسانی حقوق سے محروم تھیں، لڑکی کو زندہ درگور اور بیوہ کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا، انسان وحشت و درندگی اور ہوس پرستی میں جانوروں تک کو شرماتا تھا، غرض اخلاق و روحانیت کی دنیا بالکل ویران ہو چکی تھی، عین اس حالت میں غیرت الٰہی جوش میں آتی ہے، ریگستان عرب سے رحمت کی گھٹا اٹھتی ہے، جس کے ایک ہی چھینٹے سے انسانیت کی سوکھی ہوئی کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، اور اخلاق و روحانیت کے نور سے ساری دنیا معمور ہو جاتی ہے، عالم انسانیت کی اس بہار کا منظر سہیل کے خامۂ رنگیں رقم سے ملاحظہ ہو،

بہارستان ہستی کے لیے دورِ شباب آیا ۔۔۔ رگ فطرت میں ریعان نمو کا اضطراب آیا
نظام آفرینش کو پیام انقلاب آیا ۔۔۔ فضائے کن مکاں میں پرچم ختمی مآب آیا
شہنشاہ دو عالم مہبطِ ام الکتاب آیا

وہ موجِ بے قرار اٹھی ہے عمانِ تجلی سے ۔۔۔ زمانہ جگمگا اٹھا ہے فیضانِ تجلی سے
شبستانِ جہاں روشن ہوئی شانِ تجلی سے ۔۔۔ ہوئی ظلمت گریزاں جوشِ طوفانِ تجلی سے
رسالت کے افق پر نورِ حق کا آفتاب آیا

وہ آئینہ دکھایا جس نے عکس روئے جاناں کو ۔۔۔ نمایاں کر دیا جس نے فروغِ حسن پنہاں کو
عطا کی دولتِ نظارہ جس نے دیدۂ جاں کو ۔۔۔ چراغاں کر دیا جس نے تجلی گاہ امکاں کو
وہ جلوہ اب جمالِ احمدی میں بے نقاب آیا

معارف کا خیاباں تازہ جسکی رشحہ باری سے ۔۔۔ مکارم کا چمن شاداب جسکی آبیاری سے
شناسا جس نے عالم کو کیا توحید باری سے ۔۔۔ دلوں کی کھیتیاں سیراب جسکے فیض جاری سے
وہ دریائے کرم آیا وہ رحمت کا سحاب آیا

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

وہ نساخِ مذاہب جس کے مقدم نے کیا باطل ۔۔۔ فروغ دینِ زردشتی شکوہ دین نصرانی
وہ مقصود دو عالم مستغاث قاصی و دانی ۔۔۔ کیا جس نے مکمل نسخۂ اخلاق انسانی
وہ حاذق جس کا تنہا نسخہ تنزیل قرآنی ۔۔۔ دوائے جملہ علتہائے اخلاقی و روحانی
وہ رابط عقل و مذہب کو کیا شیر و شکر جس نے ۔۔۔ وہ فارق زہد سے جس نے مٹایا داغ رہبانی
وہ عادل جس کی میزان عدالت میں برابر ہے ۔۔۔ غبارِ مسکنت ہو یا وقارِ تاجِ سلطانی
وہ جامع جس نے یکجا کر دیے بکھرے ہوئے دانے ۔۔۔ مٹا دی آکے جس نے باہمی تفریق انسانی
وہ درس آموز فطرت جس نے پہلے سب سے دنیا میں ۔۔۔ بتائے اہل عالم کو حقوقِ جنس نسوانی
اٹھا دی خودکشی کی بزدلانہ رسم دنیا سے ۔۔۔ سکھایا مشہدِ توحید پر آئین قربانی
وہ گنجور معارف جسکے ہر ہر حرف میں پنہاں ۔۔۔ نکات فلسفی اسرار نفسی راز عمرانی

ایک دوسری نعت میں نبوت کے کارناموں کی تصویر اس ایجاز و جامعیت کے ساتھ دکھائی کہ اس کی مثال اردو کی نعتوں میں نہیں مل سکتی، اس کے ایک ایک فقرے میں کئی کئی شعروں کے مطالب کھپا دیے ہیں، اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی دین کی دولت جس نے لٹائی — لہرایا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

باغ جہاں کا حارس نامی جس نے مٹائی رسم غلامی — پھر سے سنوارا گلشن عالم صلی اللہ علیہ وسلم

بزم ملل تھی نظم سے خالی بکھرے ہوئے تھے جیسے لآلی — اس نے کیے سب آکے منظم صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا رشتہ ایک خدا سے جوڑا — شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

فرد و جماعت امر و اطاعت کسب فنا عفو و شجاعت — حل کیے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلم

ربط و تصادم طوع و تحکم فقر و تنعم عدل و ترحم — سب کے حدود بتائے باہم صلی اللہ علیہ وسلم

حفظ مراتب پاس اخوت سعی و توکل رفق و فتوت — تا کہ حدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم

ارض و سما میں آیۂ رحمت روز جزا میں سایۂ رحمت — اس کے لواے حمد کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے — اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

فقر و غنا دونوں کا سلطاں روح و جسد دونوں کا درماں — دین اور دنیا کا سنگم صلی اللہ علیہ وسلم

اس سلسلہ میں معراج کی ایک نظم جو نعت ہی کا ایک حصہ ہے سننے کے قابل ہے، معراج نبوی عام انسانی تخیل سے ماورا ہے، اس لیے اس کی کیفیت میں خود مسلمانوں میں اختلاف ہے کہ وہ روحانی تھی یا جسمانی، عالم خواب میں تھی یا بیداری میں، مادی جسم کا عالم افلاک پر جانا بڑے بڑے عقلا و حکما کی فہم سے باہر ہے، اور عالم لامکاں میں جو احوال و کوائف پیش آئے، ان کا تصور بھی انسانی عقل نہیں کر سکتی، اس لیے جن شعرا نے معراج پر لکھا ہے ان میں کم ایسے ہیں جن کو معراج کے واقعات کا صحیح علم ہے، اس لیے انھوں نے زیادہ تر شاعرانہ بلند پروازی سے کام لیا ہے، مگر سہیل کی نظم معراج کی حدیثوں پر مبنی ہے، اس لیے انھوں نے صحیح واقعات کو اس دلکشی سے نظم اور معراج کے نازک مقامات کو اس خوبصورتی سے طے کیا ہے کہ ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے، اس کے جستہ جستہ اشعار سے اس کا اندازہ ہوگا، سامعین بھی اس عالم روحانیت کی سیر فرمائیں۔

حریم ام ہانی میں حضور آرام فرما تھے — در دولت پہ قدسی و ملک تھے محو دربانی

وہ چشم نرگسی تھی بند لیکن چشم دل وا تھی — سرہانے طالع بیدار کرتا تھا نگہبانی

ادب سے آکے جبریل امیں نے یہ گذارش کی — کریں سرکار بزم نور تک تشریف ارزانی

سنی روح القدس کو جب طلب بزم حضوری کی — اٹھے اور دی براق پاک پر داد سبک رانی

ذیل کے اشعار میں جسمانی اور روحانی معراج کے مسئلہ اور جسمانی معراج کے امکان کو کس دلنشین انداز میں اور کیسی ندرت و لطافت سے حل کیا ہے، ۔۔۔۔۔۔

. . . .

براق برق پیکر نے چلا یوں ذات والا کو — فضا میں تیر جائے جس طرح بجلی کی تابانی

حضور اس طرح گذرے گنبد مینائے گردوں سے — نظر جس طرح شیشہ سے گذر جائے بہ آسانی

عالم بالا میں استقبال اور عالم مثال کے مناظر کی سیر

ملائک اور رسل صف بستہ استقبال کو آئے — اٹھا افلاک پر ہر سمت شور تہنیت خوانی

کھلی آنکھوں سے دیکھا محرم سر حقیقت نے — جزاے محسن و تاثت سزاے مذنب و جانی

نظر سے عالم ناسوت کے سارے حجاب اٹھے — برای العین کی سیر بہارستان رضوانی

اس کے بعد ان مناظر کی تصویریں ہیں جو حضور کو عالم مثال میں مشاہدہ کرائے گئے، ان مراحل کے بعد لامکان کی سرحد شروع ہوتی ہے، جہاں عالم ناسوت کے سارے وسائل جواب دیجاتے ہیں اور جس سے آگے بڑھنے میں جبریل کے بھی پر جلتے ہیں

اگر یک سرے موے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

اکیلے براق و جبرئیل آخر کے سدرہ کی منزل پر — کہ تھی یہ انتہاے سرحد اقلیم امکانی

اور یہاں سے لے چلیں پھر آپکو موجیں تجلی کی — وہ رفرف ہو کر انوار ازل کا جوش فیضانی

رفرف کی کیفیت معلوم نہیں اسلیے تجلی کی موجوں اور انوار ازل کے جوش سے اسکی تعبیر بڑی حکیمانہ، دلنشین و دلآویز ہے،
اسکے بعد حریم احدیت کے حدود شروع ہو جاتے ہیں، جہاں کسی کا گذر نہیں، اسلیے رفرف کے قدم بھی رک جاتے ہیں،

سوادِ لامکاں تک تک گیا رفرف کر اسکو بھی
کہاں اس خلوت وحدت میں اذن گرم جولانی

اس خلوت سرائے وحدت میں راز و نیاز کے جو کوائف پیش آئے اسکو کس خوبی سے تعبیر کیا ہے،

کسی نے لیا خود بڑھ کے آغوشِ محبت میں
ہوا ملک قدم خلوت سرائے بزم امکانی

ظلال و ذات میں پھر کیا ہوا اللہ ہی جانے
بجز صدیق اکبرؓ یہ حقیقت کس نے پہچانی

اس مصرعہ "بجز صدیق اکبرؓ یہ حقیقت کس نے پہچانی" میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ معراج کی صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ لوگوں سے بیان کیا تو مشرکین نے اس کا بڑا مضحکہ اڑایا، اس موقع پر بھی نبوت کے سب سے پہلے مصدق صدیق اکبرؓ نے اسکی تصدیق کی اور کہا حضور جو کچھ فرماتے ہیں سب سچ ہے۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ ان نعتوں کی معنوی خصوصیات سے متعلق تھا، یہ نعتیں ادبی و شاعرانہ محاسن سے بھی معمور ہیں، اوپر جس قدر اشعار نقل کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی شعر بھی ادبی محاسن سے خالی نہیں ہے، لیکن اب خالص ادبی حسن و لطافت کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں، ان نعتوں میں مختلف قسم کے جذبات و خیالات اور احوال و کیفیات کی تصویریں ہیں اور جو خیال اور جو منظر بھی پیش کیا گیا ہے وہ ادبی حسن و لطافت سے ایسا آراستہ ہے کہ پوری نعت شعر و ادب کا نگارخانہ معلوم ہوتی ہے، جس کا ہر مرقع اس قدر دلکش و دلآویز ہے کہ ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے، ایک نعت کی تشبیب میں ظہور قدسی کے اہتمام میں باغ عالم کی چمن آرائی کا منظر دیکھیے:

بہار آئی ہوئی آراستہ پھر بزم امکانی
ہوا گلزار عالم پھر جواب باغ رضوانی

کہیں پھولوں کے جھرمٹ میں شعاعوں کی نظر بازی
کہیں خود جلوۂ خورسی گلوں کی چاکدامانی

کہیں دوشِ صبا پر رقص کرنا نگہتِ گل کا
کہیں شاخ نشیمن پر عنادل کی غزلخوانی

ادھر سبزہ کا جاگ اٹھنا خمار خواب نوشیں سے
ادھر بادِ سحر سے زلفِ سنبل کی پریشانی

صبا کے گدگدانے سے ادھر کلیوں کا ہنس دینا
ادھر شبنم سے پھولوں کی عرق آلود پیشانی

رگِ گل نے بچھا رکھا ہے ہر سو دامِ نظارہ
عبث ہے گر کرے مرغ نگہ سعی پرافشانی

چمن کا جلوۂ رنگین ہے یا اک شعر فطرت ہے
کہ جس پر ذوق فطرت خود ہے محو آفریں خوانی

جبینِ صبح پر قشقہ ہے یا خط شعاعی ہیں
ایاغ لالہ میں شبنم ہے یا صہبائے ریحانی

نگاہیں جذب کر لی ہیں بہار عارض گل نے
رگِ گل کی حقیقت آج ہم نے جا کے پہچانی

کہاں کا دشت ایمن طور کیا برق تجلی کیا
یہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفی کی پرتو افشانی

یہ اشعار نہیں تختہ گل ہے جس کے پھولوں کی نزہت و رنگینی باغ رضواں کے پھولوں کو شرماتی ہے اور جس کی مہک سے مشام جاں معطر ہو جاتا ہے، اب جمال محمدی کے کچھ جلوے ملاحظہ ہوں۔

قبلہ نمائے سجدہ گذاراں شعلۂ سینا جلوۂ فاراں
صبح بہاراں جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

شرحِ الم نشرح وہ سینہ برق تجلی کا گنجینہ
جگمگ جگمگ چھم چھم چھم چھم صلی اللہ علیہ وسلم

نوری تن کملی میں چھپائے بادل میں بجلی لہرائے
نور کا مینہ برسائے رم جھم صلی اللہ علیہ وسلم

اوج شرف کا بدر وہی ہے بزم رسل کا صدر وہی ہے
بدر منور صدر مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جس نے بسائی دل کی بستی جسکا ظہور شباب ہستی
نزہت گیتی جسکا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

صدر امم سلطان مدینہ جس کے کف پا کا پسینہ
گلکدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

مہر رسالت، قہر جلالت، عین عدالت خضر دلالت
لب بکمالت ناطقہ ابکم صلی اللہ علیہ وسلم

سرو سیادت قامت رعنا صبح سعادت جلوۂ سیما
طاق عبادت ابروئے پرخم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ اشعار بلاغت ادا، الفاظ کی مرصع کاری، ترکیبوں کی چستی اور تشبیہات کی خوبی و لطافت کا مرقع ہیں، اس کا ایک اور بلیغ نمونہ معراج کے ایک منظر میں ملتا ہے، معراج میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مناظر مشاہدہ کرائے گئے تھے، ان میں قصرِ فاروقی یعنی حضرت عمرؓ کا محل بھی تھا، اس کے شکوہ و عظمت، حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کی تصویر دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے،

بڑھے آگے تو وسطِ ساحتِ فردوس میں دیکھا — بلند و پرشکوہ و دلکشا اک قصرِ نورانی
وہ نزہت جس کا ہر گوشہ ریاضِ خلد کا حاصل — وہ رفعت جس کا ہر زینہ حریفِ کاخِ کیوانی

اس شکوہ و عظمت کے ساتھ اس کے حسن و جمال، خوبیٔ زیبائش اور زینت و آرائش کی یہ تشبیہ شاعری نہیں ساحری ہے،

وہ شفاف شفق گوں رنگ جیسے حل ہو کر ثریٰ میں — بتا شیرِ سحر، سیمِ قمر، یاقوتِ رمانی
چمن میں اشکِ شبنم کی جگہ دُرِ نجف غلطاں — روش پر سنگ ریزوں کے عوض لعلِ بدخشانی

حضرت عمرؓ کے مرتبۂ اوصاف اور ان کے کردار کی مناسبت ان تشبیہوں میں خاص طور سے توجہ کے قابل ہے،

محاسن کے توازن میں مثالِ عدلِ فاروقی — مناظر کے تناسب میں جمالِ ماہِ کنعانی
قوائم اس کے عزمِ انبیاء کی طرح مستحکم — در و بام اسکے قلبِ اصفیا کی طرح نورانی

یہ مثالیں ان نعتوں کے ادبی محاسن کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں سہیل عربی زبان سے پوری طرح واقف تھے، اور آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی پر بھی ان کی نظر تھی، اس لیے ان کی نعت اور منقبت دونوں میں جا بجا اس کی بلیغ تلمیحات ملتی ہیں، اور وہ ان کے ٹکڑے اشعار میں نگینہ کی طرح جڑ دیتے تھے، مثلاً

خلقِ خدا کا داعیٔ آخر دینِ ہدیٰ کا داعیٔ آخر — جس کی دعوت "اَسلِم تَسلَم" صلی اللہ علیہ وسلم
آئینۂ الطافِ الٰہی، رحمت جس کی لا متناہی — جس کی ہدایت "اِرحَم تُرحَم" صلی اللہ علیہ وسلم
حفظِ مراتب پاسِ اخوت سعی و توکل، رفق و فتوت — تا کہ "حدود اللہ" میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم

نظمِ سہیل انکا ہی کرم ہے ورنہ یہاں کب بے قلم ہے — "اِنَّ اللہ تعالیٰ اعلم" صلی اللہ علیہ وسلم
عشق نے نازش کر دیا سرِ حریمِ کبریا — ورنہ یہ خاکداں تھا فی عہدِ محمد
چمن پیرائے کن صدقے تری نیرنگ سازی کے — لبِ ہر غنچہ پر ہے "کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِی شَان"
خدا جانے خود اس سرکار کا کیا مرتبہ ہوگا — غلامِ بارگہ جسکے کہیں "ما اعظم شانی"

سہیل کی نعتوں کی خصوصیات محض ان ہی پہلوؤں تک محدود نہیں ہیں، اس کے اور بھی گوناگوں پہلو ہیں، مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، اور مذکورۂ بالا مثالیں سہیل کی قادر الکلامی اور ان کی نعتوں کی اہم خصوصیات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں اسلیے اس تبصرہ کو بارگاہ رسالت میں سہیل ہی کی اس التجا پر ختم کیا جاتا ہے،

تیرے غلامِ آستاں اور جھکائیں سر کہاں
انک انت غایتی انک انت مقصدی

حکمائے اسلام

حصہ اول و دوم

اردو میں اب تک مشاہیر حکماء کے حالات میں کوئی جامع کتاب نہیں تھی، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے حکمائے اسلام کے حالات میں ایک جامع کتاب لکھی گئی ہے جس میں ان کے حالات و سوانح کیساتھ انکی ہر قسم کی مذہبی، اخلاقی اور فلسفیانہ خدمات کو نمایاں کیا گیا ہے پہلے حصہ میں یعقوب کندی، ابو نصر فارابی، محمد بن زکریا رازی، ابن مسکویہ، ابو ریحان بیرونی، امام غزالی، ابو البرکات بغدادی کے حالات ہیں اور دوسرے حصہ میں ابن ماجہ، ابن طفیل، ابن رشد، امام رازی مغلوں اور تاتاریوں کے عہد کے حکماء، حکمائے متاخرین، خاندان فرنگی محل، خاندان خیرآباد اور مختلف خاندانوں کے حکماء مثلاً ملا محمود جونپوری، ملا محب اللہ بہاری وغیرہ کے حالات ہیں اور انھوں نے جو خدمات انجام دیں، ان کی تفصیل ہے۔

(مؤلفہ مولانا عبد السلام ندوی مرحوم) قیمت: جلد اول [illegible] جلد دوم [illegible]

منیجر

شاہانِ طہماسپ کی ادبی سرگرمیاں

از جناب ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم صاحب ڈار لکچرار شعبۂ فارسی و اسلامک کلچر، اسمٰعیل یوسف کالج بمبئی

(۲)

شاہ طہماسپ مذہب کا بڑا پابند تھا، اور اس کا عقیدہ تھا کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے، اپنی فتوحات کے سلسلہ میں لکھتا ہے

"الحق ایں مقدمات فتوحاتی بزرگ است کہ از جانب اللہ تعالیٰ رو میدہد"[۱]

تذکرۂ طہماسپ سے اس کے ادبی و شعری ذوق پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس لحاظ سے اس تذکرہ کی ادبی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے، دوران تحریر میں اس نے اکثر مشہور و معروف شعرا کے اشعار نقل کیے ہیں، ایک مقام پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے واقعہ کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ جس وقت آپ کو منجنیق میں بٹھلا کر آگ میں ڈالنے والے تھے، اس وقت حضرت جبریل آئے اور آپ سے کہا یا خلیل الرحمان کیا مدد چاہیے؟ آپ نے فرمایا ہاں، مدد چاہیے لیکن خدا سے یہ سنتے ہی دریائے رحمت جوش میں آیا اور حکم ہوا یا نار کونی بردا و سلاماً علی ابراهیم۔ اس کے بعد شاہ طہماسپ نے شیخ نظامی کے یہ اشعار درج کیے ہیں:

ای ہمہ ہستی ز تو پیدا شدہ — خاک ضعیف از تو توانا شدہ

زیر نشیں علمت کائنات — ما بتو قایم چو تو قایم بذات

ہستی تو صورت پیوند نی — تو بکس و کس بتو مانند نی

[۱] تذکرہ طہماسپ ص ۳۳ [۲] ایضاً

آنچہ تغیر نہ پذیرد توئی — آنکہ نمردست نمیرد توئی

ما ہمہ فانی و بقا بیش تراست — ملک تعالیٰ و تقدس تراست

قافلہ شد واپسی ما ببیں — ای کس ما بیکسی ما ببیں

چارۂ ما ساز کہ بے یاوریم — گر تو برانی بکہ رو آوریم[۱]

ایک مرتبہ شاہ کے بھائی سام مرزا نے اس کے خلاف بغاوت کی، دوسری طرف خواندکار نے لشکر کشی کر دی، لوگوں نے پوچھا اب کیا ہوگا، شاہ طہماسپ نے ان کے جواب میں سعدی کے یہ اشعار پڑھے:

مردم گفتند کہ سام مرزا باغی شدہ است و از آں طرف خواندکار آمد آیا دریں میان چگونہ خواہد شد در جواب ایں ابیات را کہ از شیخ سعدی است خواندم

فراموشت نکرد ایزد دراں حالی — کہ بودی نطفۂ مدفون و مدہوش

دہ انگشت مرتب کرد بر کف — دو بازویت مرتب کرد بر دوش

روانت دادہ و فہم و ہوش و ادراک — کمال رای و عقل و صورت و ہوش

کنوں پنداری ای ناچیز ہمت — کہ روزی خواہدت کردن فراموش[۲]

ایک اور موقع پر حافظ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

کار خدا اگر بخدا باز گذاری حافظ — ای بسا عیش کہ با بخت خدا دادہ کنی[۳]

شاہ طہماسپ کو کتب بینی کا بھی شوق تھا، اپنے بھائی القاس مرزا کی بغاوت کے سلسلے میں ایک شعر تاریخ تیمور سے نقل کر کے لکھتا ہے کہ یہ شعر دوران مطالعہ میں میری نظر سے گذرا جو میرے اور القاس کے مناسب حال ہے،

[۱] تذکرہ طہماسپ ص ۳۲ [۲] ایضاً ص ۳۸-۳۷ [۳] ایضاً ص ۳۲

"ہرگاہ کہ تاریخ تیمور میخواندو بایں ابیات می رسیدم - بیت

شدی شاہ رخ ہمرہش در مصاف بسانِ دو شمشیر در یک غلاف

میگفتم من والقاسب ایں حال داریم"[1]

امیر نظام الدین کے ذکر میں سام مرزا نے لکھا ہے کہ وہ شاہ طہماسپ کے کتب خانہ کا کلید بردار تھا، سام مرزا کے اس بیان سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ شاہ طہماسپ کا ایک کتب خانہ تھا، جو اس کے ذوق کتب بینی اور ادبی دلچسپیوں کا بین ثبوت ہے، سام مرزا لکھتا ہے:

"والد کلید دار کتاب خانہ صاحب قرانی بودہ است"[2]

شاہ طہماسپ نے اس تذکرے میں اپنی خانہ جنگیوں کا بھی حال بیان کیا ہے، اس سے اس کی تاریخی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے، اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ اس کے دو بھائیوں سام مرزا اور القاسب مرزا نے علم بغاوت بلند کیا اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھی اس کو چین نہ لینے دیا، اوزبکوں کو ہرات سے نکالنے کے بعد شاہ نے سام مرزا کو وہاں کا گورنر بنایا، اس وقت سام مرزا کی عمر صرف سولہ سال تھی، اس لیے شاہ طہماسپ نے اغزوار خاں کو اس کا سرپرست بنادیا اور خود بلخ کی طرف روانہ ہوا، مورخین کا بیان ہے کہ سام مرزا کے زمانے میں ہرات کے باشندوں کو ایک حد تک اطمینان و سکون حاصل ہوا، اور ہرات نے کافی ترقی کی، شاہ طہماسپ کے بعض افسر اس کے خلاف تھے، اور اس کو قتل کر دینا چاہتے تھے، اس لیے جب اس نے اپنے بھائی سام مرزا کو ہرات کا گورنر بنایا اور اغزدار کو اس کا سرپرست مقرر کیا تو شاہ کے بہی خواہوں نے اس سے کہا کہ سام مرزا کو ہرات کا گورنر اور اغزدار کو اس کا سرپرست مقرر کر کے ہرات اس کے سپرد کر دینا شاہ اور اس کی سلطنت کے لیے نقصان دہ ہے، ان بہی خواہوں میں سے جنھوں نے شاہ کو اس بات سے

[1] تذکرہ طہماسپ ص ۳۴ [2] تحفہ سامی ص ۳۷

آگاہ کیا وہ مثنا سلطان، امیر بیگ روملو اور قاضی خاں حاکم شیراز تھے، تذکرہ میں ہے:

"و درینجا بودن را اغزدار خاں قبول کرد کہ سام مرزا من و ہیدمن ہرات را نگاہ میدارم، مثنا سلطان و امیر بیگ روملو و قاضی خاں حاکم شیراز و سلمان سلطان در خلوت آمدہ گفتند صلاح نیست کہ سام مرزا را با اغزوار خاں دادہ در ہرات بگذارید"[1]

شاہ کے ملازمین میں باشندان قرا اور حسین خاں اس کے بڑے دشمن تھے، احسن التاریخ کا بیان ہے کہ باشندان نے شاہ طہماسپ کے شربت میں زہر ملا دیا، مگر بادشاہ کو اس کا علم ہو گیا، اس لیے باشندان ماوراء النہر بھاگ گیا، حسین خان کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے عوام کو ورغلایا کہ وہ شاہ طہماسپ کو نکال کر اس کے بھائی سام مرزا کو تخت پر بٹھائیں:

"عازم آن شد کہ در تغییر دولت سعی بلیغ نماید و مردم را بہ سلطنت سام مرزا ترغیب نماید"[2]

باشندان قرا نے ہرات جاکر سام مرزا کو بغاوت پر آمادہ کر دیا، وہ بھائی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، مگر اس میں ناکامی ہوئی، اغزوار مارا گیا، اس وقت سام مرزا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے اس کی تلافی میں باشندان قرا اور اس کے ساتھیوں کا سر قلم کر کے شاہ طہماسپ کے پاس بھیجکر معافی کا طالب ہوا، اس نے معاف کر دیا، اور سام مرزا نے بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا، اس نے معاف کر کے سینہ سے لگایا، اس سے پورے شاہی گھرانے میں شادمانی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، شاہ طہماسپ لکھتا ہے:

"سام مرزا تا بخدمت آمدن چند مرتبہ پیشانی بزمین سودہ در غایت شرمندگی بود و امید وارش کردم و اورا ہمراہ خود بدرون حرم بردم و تا بیگم را کہ عزیز تر ماو را بود دیدہ، ہمشیرہا بدیدن سام مرزا مسرور گردیدند"[3]

[1] تذکرہ طہماسپ ص ۲۴ [2] احسن التواریخ ص ۲۵۳ [3] تذکرہ طہماسپ ص ۱۷

دوسرے بھائی القاس مرزا کی بغاوت کے حالات بھی تذکرے میں ملتے ہیں، وہ شاہ طہماسپ کی جانب سے شروان کا حاکم تھا، کچھ دنوں کے بعد اس نے بغاوت کا اعلان کر دیا، شاہ طہماسپ نے اس کو سمجھانے کے لیے چند آدمی روانہ کیے، القاس کے دماغ پر حکومت کا سودا سوار تھا، وہ ان لوگوں کو خاطر میں نہ لایا اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا، مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ شاہ خود فوج لیکر مقابلہ کے لیے آرہا ہے، تو گھبرا گیا اور عفو تقصیر کے لیے اپنی والدہ خان بیگی خانم اور اپنے لڑکے سلطان احمد کو شاہ کی خدمت میں بھیجا، ان کی سفارش سے شاہ نے معاف کر دیا، مگر اس سے قسم لے لی کہ وہ ہمیشہ شاہ طہماسپ کا فرمانبردار رہے گا، لیکن اسی سال (۹۵۳ھ) پھر اس نے بغاوت کر دی، اور قلعہ دربند پر قبضہ کر لیا، شاہ طہماسپ نے اپنے بھائی بہرام مرزا کو مقابلہ کیلیے بھیجا، القاس اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور دربند سے بھاگ کر قسطنطنیہ پہنچا اور سلطان سلیمان کے یہاں پناہ گزیں ہوا، سلطان شاہ طہماسپ کا سخت مخالف تھا، القاس مرزا نے سلطان سلیمان کو آمادہ کیا کہ وہ ایران پر فوج کشی کرے۔

"این گذشتہ از مین کہ برادر باغی گردید بدربار سلطان سلیمان در قسطنطنیہ پناہ بردہ او را بہ جنگ با ایران تشویق نمودہ"[1]

اور خود سلطان ایک بڑی فوج کے ساتھ القاس کے ہمراہ تبریز پہنچا، مگر ایرانی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا، اس کے بعد اس نے القاس مرزا کو پانچ ہزار فوج و بجانب عراق روانہ کیا، وہ اسے لیکر ہمدان پہنچا، اس وقت بہرام مرزا کا پورا خاندان یہاں مقیم تھا، القاس نے سب کو گرفتار کر لیا، اور انھیں لیکر قم کی طرف روانہ ہوا، مگر اس درمیان میں القاس مرزا اور سلطان سلیمان کے درمیان ناچاقی پیدا ہو گئی، چنانچہ جب سلطان نے اسے قم سے واپس بلایا تو اس نے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی، اس لیے

[1] تاریخ ایران، ہمدانی ص ۵۴۷

سلطان نے محمد وزیر کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا، وہ قلعہ مریوان کی طرف بھاگ گیا، اب وہ خود خطرہ میں تھا، اس لیے اس نے بہرام مرزا کے بال بچوں کو شاہ طہماسپ کے پاس بھیج دیا اور خود مرزا کی سمت میں روانہ ہوا، اس نے اس کو گرفتار کر کے شاہ کے پاس بھیج دیا، اس نے قلعہ قہقہہ میں نظر بند کر دیا اور اس طرح القاس کی بغاوت کو ختم کر دیا،

شاہ طہماسپ القاس کو سب بھائیوں اور لڑکوں سے زیادہ عزیز تر سمجھتا تھا، اسکا بیان ہے کہ اس نے مشہد مقدس میں اس کے لیے ۲۵۰ تومان سادات و علما و نقبا میں تقسیم کیے تھے تاکہ وہ اسکی درازی عمر کی دعا کرتے رہیں، مگر کم عقلی اور بغیر کسی سبب کے وہ باغی ہو گیا، شاہ طہماسپ لکھتا ہے،

"من او را از تمامی برادران و فرزندان خود دوست تر می داشتم، چنانچہ فرمودہ بودم کہ در شہر مقدس باشد حضرت امام رضا علیہ السلام دویست و پنجاہ تومان بسادات و علما و نقبا بقرض دادہ بودند کہ تا القاس زندہ از ایشان نگیرند کہ ایشان ہمیشہ در آستانۂ مقدس در دعا مزید عمر او باشند، او خود کم عقل بود بے جہت بے سبب باغی شد۔"[1]

اسلیے شاہ طہماسپ نے ایک قابل اعتماد شخص علی آقای اقچہ سقال کو اسکے پاس نصیحت کرنے کیلیے بھیجا کہ آیندہ سے وہ بغاوت اور مخالفت کا خیال اپنے دماغ سے نکال دے، لیکن القاس پر اسکا کوئی اثر نہ ہوا،

"چند آنکہ علی آقا نصیحت او کردہ بود مطلق جواب ندادہ بود۔"[2]

اور وہ دربند کی راہ سے چرکس کی طرف روانہ ہو گیا اور کچھ لوگوں کو اپنا ساتھی بنا لیا، مگر جب اسکو معلوم ہوا کہ چرکس کے لوگ اسے گرفتار کر کے شاہ کے حوالے کرنے والے ہیں تو وہاں سے بھاگ نکلا اور شاہ کو خط لکھا کہ میں حضرت خواندگار کے پاس پناہ گزیں ہوں اور وہ ہوشیار رہیں، اور اس نے رومیوں کو شاہ طہماسپ کے خلاف آمادہ کیا جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اسکے بعد وہ گرفتار کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا، قلعہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جنکے باپ کو القاس نے موت کے گھاٹ اتارا تھا، انھوں نے اسکے انتقام میں اسکو قلعے کے نیچے پھینک کر ہلاک کر ڈالا جسکے بعد بقول شاہ طہماسپ پورے عالم میں امن قائم ہو گیا۔

"دو سہ نفر آنجا بودند کہ القاس پدر ایشان را کشتہ بود ایشان ہم بقصاص پدر او را از قلعہ زیر انداختند۔ بعد از مردن او عالم امن شد۔"[3]

[1] تذکرہ طہماسپ ص ۴۳ [2] ایضاً ص ۴۴ [3] ایضاً ص ۶۴

تذکرہ شعرائے رامپور کا ایک فاضل اور گمنام شاعر

منصورؔ

از جناب محمد علی خاں صاحب اثر رام پوری

منصور تخلص، مولوی منصور شاہ خانصاحب ولد فتح شاہ خانصاحب، ۱۳ اگست ۱۸۵۱ء کو بدھ کے دن پیدا ہوئے، آپ صوبۂ سرحد کے مشہور بزرگ حضرت اخوند درویزہ بابا کی اولاد میں تھے، اس لیے آپ کا خاندان اخوند خیل کہلاتا ہے، رامپور کے جس محلہ میں آپکے اجداد سرحد سے آکر آباد ہوئے تھے، وہ بھی اخونخلال کے نام سے موسوم ہے، آپکے دادا مبارک شاہ خاں بریلی کے رؤسائے اعظم میں تھے اور ایک بڑا علاقہ زمینداری کا اور شہر کی کافی دکانیں ملوکہ تھیں، ایک عالیشان محل اور دیوانخانہ محلہ کٹرہ مان رائے میں تھا، غدر ۱۸۵۷ء میں مبارک شاہ خاں نے انگریزوں کے خلاف بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا، جس کی تفصیل گورنمنٹ گزیٹیر ۱۸۵۷ء میں ہے،

غدر فرو ہونے کے بعد بچوں اور عورتوں کو چھوڑ کر آپکے والد، دادا، اور خاندان کے تمام افراد کو جو بریلی میں موجود تھے، پھانسی دیدی گئی، اور جائداد بھی ضبط کر لی گئی، اس لیے آپ کی والدہ تمام افراد کو لیکر رامپور اپنے قدیمی خاندانی مکان (واقع محلہ اخونخلال) میں چلی آئیں،

آپ کی ابتدائی تعلیم رامپور میں ہوئی، فارسی کی تکمیل مولوی حسن شاہ خاں سے اور عربی کی تعلیم مختلف استادوں سے حاصل کی، علوم دینی، تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کی تکمیل مفتی سعد اللہ

مولوی ارشاد حسین صاحب، مولانا عالم علی صاحب مرادآبادی اور مفتی عبد القادر خاں سے کی،

آپ کے والد اور سرسید احمد خاں میں بہت گہرے دوستانہ تعلقات تھے، غدر سے پہلے سرسید صدر امین تھے اور آپ کے والد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے ممتاز عہدے پر ایک ہی جگہ ضلع بجنور میں تھے، تعلیم کی تکمیل کے بعد سرسید نے آپ کو اور آپ کے دونوں بھائیوں کو علی گڑھ بلا کر اپنی سرپرستی میں لے لیا، اور آپ کو قانون پڑھنے کا مشورہ دیا، یہ وہ زمانہ تھا جب سرسید کے پیش نظر مسلمانان ہند کی غدر کی تباہیوں سے بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنے اور ان کی تعلیم کے اہم ترین مسائل تھے، اور وہ ایم اے او کالج کی بنیاد ڈالنے والے تھے، اس موقع پر آپنے اور آپکے بڑے بھائی مسعود شاہ خاں نے سرسید کو کالج کے قائم کرنے میں خاص امداد دی، اسی زمانے میں آپ کی مشہور تصنیف پولٹیکل اکانمی پر علم انتظام مدن کے نام سے شائع ہوئی، جو تعلیمی حلقوں میں بیحد پسند کی گئی، اور بطور ہمت افزائی یو پی گورنمنٹ نے اس پر دو سو روپے انعام بھی عطا کیا،

سرسید نے جس دن اسکول کی سب سے پہلی کلاس ایک چھپر کے کمرے میں کھولی، اس دن اعزا و احباب اور معاونین کا ایک جلسہ کیا جس میں انھوں نے اپنی سب سے پہلی مشہور تاریخی تقریر کی، اس جلسے میں جناب منصور بھی شریک تھے، اور اس کلاس میں جو سب سے پہلا طالب العلم داخل ہوا، وہ آپ ہی کے چھوٹے بھائی یعقوب شاہ خاں تھے، احاطے کی جو دیوار سرسید نے تعمیر کرائی تھی، اس میں دوسرے معاونین کی طرح آپکا نام بھی احاطے کی جالی پر کندہ کرایا تھا جو اب تک موجود ہے، آپ کالج کے ٹرسٹی بھی تھے، ۱۸۷۲ء میں آپنے الہ آباد ہائیکورٹ سے فرسٹ ڈویزن میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور ضلع علی گڑھ میں پریکٹس شروع کر دی، اور کچھ ہی مدت میں علی گڑھ کے چوٹی کے وکلا میں شمار ہونے لگے، آپ نے چھیاسٹھ برس تک وکالت کی،

آپکے دوست نواب فیض علی خاں آف پہاسو وزیر اعظم ریاست جے پور نے عہدہ لامبری جو ریاست کا سب سے بڑا قانونی عہدہ تھا، آپکے واسطے تجویز کر کے آپ کو بلایا، اس پر آپنے جواب دیا کہ میں اپنے آزاد پیشہ کو مجبور

کسی کا پابند ہونا گوارا نہیں کر سکتا، آپ کے اوصاف بہت مشہور تھے، کنبہ پرور تھے، غریبوں کی امداد بھی کرتے تھے، چند مسجدوں کی تعمیر میں بھی حصہ لیا، اور عربی کے طلبہ کی ہمیشہ امداد بھی کرتے رہے، آپ کی زندگی نہایت دیندارانہ گزری، تہجد کے پابند تھے، اور روزہ نماز کبھی ناغہ نہ ہوئے، آپ بہت مخیر تھے اور طبعاً صلح کل، استغنا کی یہ حالت تھی کہ کبھی کسی حاکم کے سلام کو نہیں گئے، آپ آخر عمر تک ورزش، ڈنڈ، مگدر پھرانے اور بیٹھک کے پابند رہے، خوش مزاج اور سیر چشم تھے، داڑھی بھی رکھتے تھے مچھلی کے شکار کو پسند کرتے تھے،

آپ اردو، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں کے شاعر تھے، ابتدا میں منیر شکوہ آبادی سے اصلاح لی، ایرانی شاعر فانی نے آپ کے فارسی نوحہ کو جس کا قافیہ زیرد تھا سنکر کہا کہ یہ غیر ایرانی کا کلام نہیں ہو سکتا، جب کہا گیا کہ یہ ہندی شاعر ہے تو جواب دیا کہ پھر شیعہ ہوگا، جواب ملا کہ نہیں، سنی ہے، تو فانی نے کہا کہ یہ سنی تو مجھ شیعہ سے بھی بدرجہا بہتر ہے،

آپ کی مثنوی فارسی زبان میں ایک ہزار اشعار کی ہے جس میں پند و نصائح اور تہذیب نفس کے مضامین ہیں، ایک قصیدہ نعتیہ ہے، جس میں چھیاسٹھ شعر ہیں، آپ کا مجموعہ کلام کسی بدباطن نے چرا لیا، آپ کا انتقال ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۳۸ء کو بوقت صبح صادق اپنے وطن رامپور میں ایسی حالت میں ہوا کہ سینہ پر تسبیح تھی، اور آخری سانس تک ہوش و حواس درست رہے، زبان پر اللہ کا نام جاری تھا، اپنے خاندانی قبرستان اخونخیلال محلہ باجوڑی ٹولہ خسرو باغ روڈ میں دفن ہوئے۔

نمونۂ کلام

لحد کو جب اٹھاؤں سر تو میں گرم فغاں ہو کر　　　قیامت ہو زمیں چکر میں آئے آسماں ہو کر

ملے ذات حقیقت سے مٹا کر نقش ہستی کو　　　نشان مشکل سے پایا ہم نے اسکا بے نشاں ہو کر

کیا ہے یاد بھولے سے مگر اس شوخ نے مجھ کو　　　کہ ساری یاس حسرت دل سے نکلے ہچکیاں ہو کر

ملا ہے عشق میں یہ مرتبہ بعد از فنا مجھ کو　　　کہ رہتا ہوں حسینوں کی زباں پر داستاں ہو کر

گزر کر کوچۂ کاکل سے پایا کعبۂ رخ کو　　　چلا ہوں حج بیت اللہ کو ہندوستاں ہو کر

سہل ہے قتل سے انکار یہاں تو لیکن　　　حشر میں ہوگا مرے خون کا دعوی کس پر

ہو چکے سب ترے جانباز تو پیوند زمیں　　　نگہِ قہر ہے اے نرگسِ شہلا کس پر

چشم عیار، مژہ شوخ، ادا غارتگر　　　رکھوں الزام جفا اے ستم آرا کس پر

سمجھنا کم نہ کعبہ سے مرے اجڑے ہوئے دل کو　　　جمال یار کا مسکن اسی ویران گھر میں ہے

بلا سے دار پہ کھینچو، نہیں منصور کو پروا　　　سمایا عشق کا سودا کچھ ایسا اسکے سر میں ہے

فارسی کا مختصر نمونہ

دل من برد زمن عشوہ گرے　　　کافرے حور وشے، فتنہ گرے

کج کلاہے کہ ز برقِ نگہش　　　اوفتادہ بجہاں شور وشرے

بے نیازم بخیالت، ز جہاں　　　از شب و روز ندارم خبرے

زاہدا تا نکشتی ساغرِ مُل　　　پند تو ہیچ ندارد اثرے

بر در میخانہ دیدم دلبر پیمانہ نوش　　　الوداع اے زہد و تقوی، الفراق اے صبر و ہوش

ہرزہ گفتن کار خاماں از تنک ظرفی بود　　　ہر کہ شد از اہل عرفاں، گشت از حیرت خموش

تند خو بر سر بام آمد و مستانہ برفت　　　نظرے سوے من انداخت و رندانہ برفت

بیخود و مست شدم از مے چشمت ساقی　　　دست من گیر ز دستم مے و پیمانہ برفت

قناعت

ز دست پیش توانگر، دراز دارم من　　　ز خوان اہل دول، ز آئے نیاز دارم من

بنان خشک قناعت کنم و لقمہ خورم　　　نہ حرص قورمہ و شیر مال دارم من

رُباعی

عدحیف کہ ایں عمر گرانمایہ برفت — طفلی و شباب و شیب چوں سایہ برفت

ما در پس و پیش نفع و نقصان ماندیم — غافل کہ ز دست خویش سرمایہ برفت

اب فانی شاعرِ ایران کے قافیہ "ریزد" کے مقابلے میں ۳۳ اشعار نوحہ منصور کے ملاحظہ فرمائیے، پانچ اشعار بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ شاعر ایران کے مشکل قافیہ کو رامپوری منصور نے کس طرح نباہا ہے،

مرثیہ

فلک ہر صبح از چشمِ شفق خوں برجہاں ریزد — زمیں بر روے خود گرد مصیبت ہر زماں ریزد

بخون و خاک افتادہ ہمہ لختِ دلِ زہرا — چو برگ لالہ و نسریں بفرش بوستاں ریزد

حسین ابن علی کز کوہ تر ثابت قدم باشد — نہ جنبد از رہِ حق گر بسر کوہ گراں ریزد

بوصفِ حضرتِ شبیر دارم طرفہ اعجازے — کہ در وقت تکلم لعل و گوہر از زباں ریزد

یقیں دارم ہمیں کز ذکر آلِ پاک پیغمبر — گناہان از سر منصور چوں برگ خزاں ریزد

اب اس تاریخی قصیدے کے چند اشعار سنیئے جو ۲ جنوری ۱۹۰۷ء کو امیر حبیب اللہ خاں والیِ افغانستان کے روبرو محمڈن کالج علی گڑھ میں جناب منصور نے خود پڑھ کر سنائے تھے، جنکی داد امیر صاحب نواب محسن الملک اور کل حاضرین نے دل کھولکر دی تھی، قصیدہ کے اشعار کی تعداد ۳۱ ہے، اس کے صرف ۸ شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں، یہ اشعار محض تعریف ہی میں نہیں ہیں، بلکہ ایک بادشاہ کے لیے پند و موعظت کا کھلا ہوا درس بھی ہیں،

فروغ صبح ایماں کز ازل اندر جہاں آمد — رسید از چرخ بر فرقِ حبیب اللہ خان آمد

بیا ساقی بدہ ساغر مغنی ساز را سر کن — نوید موسم اردی بہشت از گلستاں آمد

نیم کز مدحت بیجا زبانِ خویش آلایم — بحمد اللہ طریق من طریقِ راستاں آمد

ہمیں یک آرزو دارم کہ از من یک سخن بشنو — کہ گفتار نکو مقبول گوشِ سروراں آمد

بعدل و راہِ ایماں جاوداں ثابت قدم باشی — کہ عدل و راہِ ایماں لعلِ تاجِ خسرواں آمد

بعمر پنج روزہ بر جہاں بانی مکن غرہ — کہ اندر جہاں ایں عمر و دولت جاوداں آمد

بترس از تلخی آں دم کہ جاں بیرون کنی از تن — یقیں می داں کہ وقت تلخ بر سر ناگہاں آمد

ز طبع عالی و نیز دارم اندر فن سخن شہرت — مگو منصور غمگیں سر گروہ شاعراں آمد

ہندی کلام کا مختصر نمونہ جس میں بتیس ۳۲ اشعار سیرت فخر دو عالم سے متعلق ہیں،

میرے رب کا چھیلا چھبلیا قرآن کا وعظ سناوت ہے، — جب پچھلے پہر کو گاوت ہے سوتوں کو جگا کے رُلاوت ہے،

جب اوڑھ کملیا آوت ہے اتیسو کے کھجن ڈگاوت ہے، — اور اُوم سے سکو ملاوت ہے غیروں سے ہمیں ڈچھڑاوت ہے،

مازاغ کا انجن نین لگا جب پاس پیا کے جاوت ہے، — بیکنٹھ کچھا انعام میں لے، اس پاس سے آنند آوت ہے،

امت کا وہ بیرا کھیوت ہے، اور زور سے اسکو چلاوت ہے، — ہمت ہے پھر اس میں مار کے بلی ندیا پار لگاوت ہے،

منصور بھی ہے اس کا بندہ الفت کا گلے میں ہے پھندا — جب حشر کا ہو گورکھ دھندا اسی ہی امید شفاعت ہے،

نوائے حیات

جناب یحیی اعظمی کا مجموعہ کلام نوائے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحاب ذوق پوری طرح واقف ہیں، وہ دوبارہ چھپ گیا ہے، اس اڈیشن میں بہت سی نئی غزلوں اور نظموں کا اضافہ ہے، اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اس کے شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم فیض رقم سے ایک بصرانہ مقدمہ ہے، قیمت: مجلد للعہ غیر مجلد ہے

مینیجر

وفیات

وحشت کی رحلت

از جناب مسعود حسن صاحب ایم اے پروفیسر عربی و فارسی سنٹرل کلکتہ کالج کلکتہ

کم و بیش چھ سال ہوئے ۱۹۵۰ء کے وسط میں جب حضرت وحشت نے کلکتہ کے فرقہ وارانہ فسادات سے دلبرداشتہ ہو کر ترک وطن کیا تھا، اور زندگی کے آخری دن مشرقی پاکستان میں گذارنے کے لیے رخصت ہوئے تھے، تو کلکتہ میں ان کے عزیزوں، دوستوں، شاگردوں اور عقیدتمندوں کو اس سفر سے سخت صدمہ ہوا تھا، خود حضرت وحشت جب تک ڈھاکہ میں رہے کلکتہ کی یاد انھیں بیقرار کرتی رہی، مگر کسے خبر تھی کہ ڈھاکہ میں صرف چھ سال کے قیام کے بعد ۲۰ جولائی ۱۹۵۶ء کی شب کو وہ ایک اور سفر کے لیے آمادہ ہو جائیں گے، جو ان کا آخری اور سب سے لمبا سفر ہوگا اور جو آن کے آن میں طے ہو جائے گا،

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ   دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہی کہاں کا

رضا علی وحشت مرحوم کا تعلق دہلی کے ایک معزز خاندان سے تھا، جس نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد دہلی سے منتقل ہو کر بنگال کے مشہور ضلع ہوگلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، ان کے والد ماجد حکیم مولوی شمشاد علی شعر و ادب کا اچھا خاصا ذوق رکھتے تھے، اور فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے، وحشت کی ولادت ۱۸۸۱ء میں کلکتہ میں ہوئی اور یہیں مدرسہ عالیہ کے انگریزی شعبہ میں انھوں نے تعلیم کے مراحل طے کیے، تعلیم سے فارغ ہو کر کلکتہ کے امپیریل ریکارڈ

ڈپارٹمنٹ میں چیف مولوی کے فرائض انجام دینے لگے، ۱۹۲۶ء میں جب مسٹر فضل الحق موجودہ گورنر مشرقی پاکستان کی سعی مشکور سے اسلامیہ کالج کا قیام عمل میں آیا تو وحشت مرحوم اردو کے لکچرار مقرر ہوئے، یہاں انھوں نے صرف دس سال گذارے، مگر اس مختصر مدت میں انھوں نے صوبہ کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں اردو ادب اور اردو شاعری کا صحیح ذوق پیدا کیا، ۱۹۳۱ء میں انگریزی سرکار نے انکی ادبی خدمات کا اعتراف کرکے ان کو "خان بہادر" کا خطاب عطا کیا، ۱۹۳۶ء میں کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے، پھر مسٹر فضل الحق ہی کی کوششوں سے جب مسلمان لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے کلکتہ میں برابورن کالج وجود میں آیا تو اردو اور فارسی کی تعلیم کے لیے انکا دوبارہ تقرر ہوا،

وحشت مرحوم کی زندگی کا اکثر حصہ مصائب و آلام کی تلخیوں میں گذرا یہی وجہ ہے کہ انکی شاعری کے آسمان پر رنج و غم کے بادل اکثر نظر آتے ہیں، افسوس ہے کہ ان تلخیوں نے ان کی شاعری کو تو فروغ بخشا، مگر خود انھیں ہمیشہ سکون قلب سے محروم رکھا، مالی دقتوں، رفیق زندگی کی دائمی مفارقت، جوان سال بیٹے کی جنوں زدگی اور پھر گمشدگی اور اس نوع کے دوسرے جانگسل صدمات کی تاب لانا وحشت جیسے سخت جان ہی کا کام تھا، اوپر چند سالوں سے پیرانہ سالی کی بنا پر ضعف اور علالت کے پے در پے حملے بھی شروع ہو گئے تھے، خصوصاً مشرقی پاکستان پہنچکر ان کی صحت تیزی کے ساتھ گرتی گئی، یہانتک کہ ۱۹۵۴ء کے وسط میں وہ نقل و حرکت سے قطعاً مجبور ہو گئے، چنانچہ اپنے مکتوب مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں بڑی حسرت سے تحریر فرماتے ہیں:

"اب تو میں برائے نام زندہ ہوں، دو قدم چلنا بے سہارے مشکل ہوتا ہے، ہاتھ بید کی طرح لرزاں رہتا ہے، سر ہے کہ مکرر چکر آتا ہے

تو اے کبوتر بام حرم چہ می دانی   تپیدن دلِ مرغانِ رشتہ برپا را

جب آپ مجھے دیکھیں گے تو اندازہ کر سکیں گے۔"

وحشت کی سیرت، ان کا اخلاق اور ان کی شرافت ان کی شاعری کی طرح زبان زد خاص

دعام ہے، وہ فطرۃً سنجیدہ، متین، متواضع اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے، کم آمیزی کی بنا پر احباب کا حلقہ محدود تھا، مگر جن سے ملتے تھے انتہائی خلوص اور محبت سے ملتے تھے، اور ایک مرتبہ جب کسی سے تعلقات قائم ہو جاتے تھے تو انھیں زندگی بھر نباہنے کی کوشش کرتے تھے، قدیم مشرقی تہذیب، شائستگی اور وضعداری کا زندہ نمونہ تھے، طبیعت کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ٹریم کے علاوہ کسی دوسری سواری پسند نہیں فرماتے تھے، کبھی کسی پر اپنی صلاحیتوں کا رعب نہیں ڈالتے تھے، ہمعصروں اور خصوصاً نوجوانوں سے کوئی غلطی ہو جاتی تو شفقت اور نرمی سے اس کی اصلاح کر دیا کرتے تھے، اس وقت بھی جبکہ وہ پورے ہندوستان کے اساتذہ کی صف اول میں ممتاز جگہ پا چکے تھے، بڑی عرق ریزی اور جگر کاوی سے کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، میرے ایک ہندو دوست نے جو فارسی اور اردو کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے اور جو کچھ ہی دن ہوئے تقسیم پنجاب کے بعد کلکتہ چلے آئے تھے، ایک مرتبہ کرزن پارک میں ایک معمر شخص کو دیکھا، جو ایک بنچ پر بیٹھا کسی قدر بلند آواز سے چہار مقالہ نظامی عروضی پڑھ رہا تھا، پارک کی خالص مغربی فضا، اس میں مشرقی وضع و قطع کا ایک انسان اور اس کے ہاتھ میں چھٹی صدی ہجری کی ایک فارسی کتاب، میرے دوست کے لیے یہ ایک عجیب سا منظر تھا، انھیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بزرگ حضرت وحشت تھے، انکی اکثر ملاقاتیں شعر و ادب کی راہ سے قائم ہوئیں، یہ ادبی رشتے بعض صورتوں میں قرابت سے بھی زیادہ گہرے ہو جایا کرتے تھے، وہ شعر و سخن کی محفلوں سے کبھی نہیں اکتاتے تھے، جب تک کلکتہ میں رہے، دلکشا اسٹریٹ اور پھر ویلسلی سکنڈ لین میں انکی نشستگاہ تشنہ کامان ادب اور جرعہ کشان غزل کا قبلہ حاجات بنی رہی، ہر ہفتہ اتوار کی سہ پہر کو پابندی سے انکی کوٹھی میں احباب اور شاگردوں کا اجتماع ہوا کرتا تھا جس میں بڑی دلچسپ ادبی بحثیں چھڑتی تھیں اور خوب خوب غزلخوانی ہوا کرتی تھی، افسوس کہ یہ میکدۂ وحشت آج سونا پڑا ہے۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

وحشت کے علمی و ادبی کمالات کی تفصیل پیش کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، مگر اس خیال سے کہ انکے نقوش حیات دھندلے نہ ہو جائیں، اس سلسلے کی چند باتیں مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں، مرحوم فارسی اور اردو کے پختہ کار ادیب

اور نقاد تھے، انکا مطالعہ بہت وسیع تھا، چنانچہ فارسی اور اردو شعرا کے اکثر دیوان اور تذکرے انکی نظر سے گذر چکے تھے، انکی وسعت نظر، علمی شغف، ذوق تحقیق اور بلند ادبی مذاق کا کسی قدر اندازہ انکے ان بلند پایہ علمی ادبی اور تنقیدی مقالات سے ہوتا ہے، جو اردوئے معلی، دکن ریویو، نقاد اور مخزن وغیرہ میں شائع ہوا کرتے تھے، انکی نگاہیں ادب کی ان گہرائیوں تک جاتی تھیں جہاں اوروں کی رسائی ناممکن ہوتی تھی، چنانچہ مولانا حالی نے اپنی قدیم غزلوں پر وحشت کا ایک مضمون پڑھکر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا: "تم ہی ایک شخص ہو جس نے میری شاعری کو شاعرانہ نقطۂ نظر سے دیکھا ہے، ورنہ میں تو قوم کا ایک مرثیہ گو سمجھا گیا ہوں اور بس"۔ انھیں انگریزی بولنے اور لکھنے کی بھی بڑی اچھی مہارت تھی، اور انکے انگریزی مضامین جو زیادہ تر مسلم انسٹیٹیوٹ کے رسالہ میں نکلتے، قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، مگر ان کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ جس نے انکو شہرت دوام بخشی، ان کی شاعری ہے،

قدرت نے شعر و شاعری کی غیر معمولی صلاحیت انھیں اپنے ہاتھوں ودیعت کی تھی، اور بلاشبہ وہ ایک فطری شاعر تھے، اور زمانۂ حال کے شعرا کی عام روش کے خلاف اپنی اس صلاحیت کی اعلیٰ تربیت اور نشو و نما کے لیے انھوں نے محنت و کاوش اور جگر کاوی سے بھی دریغ نہیں کیا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

فروغ طبع خداداد اگرچہ تھا وحشت ریاض کم نہ کیا ہم نے کسب فن کے لیے

۱۵ سال کی عمر سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے، مولوی ابوالقاسم شمس مرحوم سے جو فصیح الملک داغ دہلوی کے شاگرد اور مولوی عبدالغفور نساخ کے بیٹے تھے، تلمذ کا شرف حاصل کیا، ۱۹۱۱ء میں پہلا دیوان جس میں ابتدائی مشق کی غزلیں بھی شامل تھیں، منظر عام پر آیا، اور اس نے مولانا حالی، علامہ شبلی نعمانی، ڈاکٹر اقبال، اکبر الہ آبادی، مولانا عبدالحلیم شرر، نظم طباطبائی، شوق قدوائی، شاد عظیم آبادی اور حسرت موہانی جیسے اکابر علم و فن سے خراج تحسین وصول کیا، وحشت قدیم دبستان غزلگوئی کے معتقد اور پیرو تھے، اور اس پر انھیں فخر بھی تھا، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "میں پرانی لکیر کا فقیر اور قدیم طرز سخن کا دلدادہ ہوں"، امیر لکھنوی کی

کا یہ شعر بھی اکثر ان کی زبان پر رہتا تھا،

گذشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں

اردو اور فارسی کے اکثر اساتذہ کا کلام شوق سے پڑھا کرتے تھے، مومن، داغ اور حالی کی شاعری سے بڑی حد تک متاثر ہوئے تھے، مگر غالب سے انھیں والہانہ عقیدت تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ اپنی شاعری کے ابتدائی چند سالوں کے سوا عمر بھر غالب کا تتبع کرتے رہے، اور اس طرز خاص میں انھیں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ مشکل سے کسی اور کو نصیب ہوئی ہوگی، خیالات کی بلندی اور مضمون آفرینی، جذبات کی تصویر کشی اور تغزل کی رنگینی، زبان و بیان کی شیرینی اور خوشگوار فارسی ترکیبوں کی دل نشینی، یہ ساری خصوصیتیں جو مرزا کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہیں، ان کے کلام میں بھی بڑے سلیقے سے موجود ہیں، مگر ان کے یہاں مرزا کی پیچیدہ گوئی اور مشکل پسندی کے نمونے بہت کم ملتے ہیں، ان کا انفرادی رنگ انکے طرز ادا کی دلکشی اور رعنائی ہے، وہ ہمیشہ شگفتہ بحریں پسند کرتے تھے، اور اکثر اساتذہ کی غزلوں پر غزلیں کہا کرتے تھے، زندگی کے آخری چند سالوں میں اپنا دوسرا دیوان مرتب کیا، جو ترانۂ وحشت کے نام سے ۵۲ء میں لاہور سے شائع ہوا، یہ ان کی آخری یادگار ہے، اس کے علاوہ شاگردوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی بطور یادگار چھوڑ گئے، جو اس وقت ہندوستان و پاکستان کے مختلف حصوں میں اردو شاعری کا چراغ روشن کر رہی ہے،

خدا تعالیٰ مرحوم کی تربت پر رحمت کے پھول برسائے، اور ان کی روح کو اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دے۔

اے غالب از نظر کہ شدی ہمنشینِ دل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

ادبیات

آہ! صاحب شعر الہند مولانا عبد السلام ندوی

از جناب یحییٰ اعظمی

اٹھ گئے بزمِ ہنر سے مولوی عبد السلام
ہے جہانِ علم و دانش میں یہ ماتم کا مقام

خواجہ تاش و ہم نشینِ سید جنت مقام
رندِ سرخوشِ بزمِ شبلی کے حریفِ بادہ نوش

خازنِ اسرارِ شبلی، خاتمِ علم الکرام
وہ ادیبِ کہنہ سال و پیرِ دانائے ہنر

دورِ حاضر میں سند تھا جسکا ہر قول و کلام
حاملِ فکر و نظر تھی جس کی ہر تحقیقِ فن

عصرِ نو میں اجتہادِ فکر تھا جسکا مقام
بزمِ دانش میں تھا جس سے اعتبارِ علم و فن

ہو گیا اس دور میں حسنِ رقم جس پر تمام
محفلِ شبلی کا وہ رنگیں طراز اہلِ قلم

ہے یہ اُس استادِ فن کی زندگی کا اختتام
مرتے دم تک جس نے رکھا شغلِ قرطاس و قلم

وہ محققِ فکر رازی کا غزالی کا امام
وہ مصنف اسوۂ اصحاب و شعر الہند کا

آخری دم تک رہا راہِ ہنر میں تیز گام
وہ مفکر وہ شہیدِ جستجوئے راز، جو

اب کہاں ہے آہ وہ دیوانۂ عالی مقام
اب کہاں ہے آہ وہ فرزانۂ شوریدہ سر

جس کی ہر شوریدگی تھی درخورِ صد احترام
جس کی سادہ زندگی اخلاص کی تصویر تھی

جس کو حاصل تھا زمانہ میں قبولِ خاص و عام
ہر ادا معصوم جس کی، ہر خطا جس کی صواب

وہ مسافر چلتے چلتے کیسلیے اب رک گیا — عرصۂ ہستی میں تھا جو متنقل گرم خرام

تھا ابھی درپیش صد افسوس دہلی کا سفر — ہو رہا تھا جس کی خاطر آہ کیا کیا اہتمام

سوئے منزل کس لیے اب وہ قدم اٹھتے نہیں — ہم نے تو دیکھا نہ تھا انکو کبھی یوں سست گام

تھی حیاتِ آخریں کی اب یہی اک آرزو[1] — زندگی کا تھا رہا باقی یہی اب ایک کام

حیف اب عزم علی گڈھ ہے نہ دہلی کی تڑپ — ہو گئے عبد السلام اُف عازمِ دار السلام

کر رہے ہیں تجھکو رخصت آہ اب کس شان سے — تیرے یارانِ قدیم و ہمنشینانِ کرام

دوش پر تجھکو لیے جاتے ہیں اور آنکھیں ہیں تر

ہے زباں پر الفراق والوداع والسّلام

قطعۂ تاریخ وفات مولانا عبد السّلام ندوی

ازجناب شاہ ولی الرحمٰن صاحب ولیؔ کاکوی

آج ہے اعظم کدہ[2]، کس لیے ماتم کدہ — محفلِ شبلی اداس، بزمِ سلیماں نڈھال

ہوگئے عبد السلام ساکنِ دار السلام — شاہدِ مقصود کا ہو گیا حاصل وصال

صاحبِ نقد و نظر، نکتہ شناس ہنر — بلبلِ رنگیں نوا، طوطیِ شیریں مقال

علم و ادب کا دیار کیوں نہ ہو ماتم گسار — علم کی محفل خموش، نقد کی میزاں نڈھال

محفل شعر و ادب، درہم و برہم ہے اب — مزرعِ تنقید[3] ہے، مضمحل و پائمال

آج بساطِ سخن سوگ میں ہے پُر شکن — ماہرِ تنقید کا بس کہ ہوا انتقال

فیض تھا اسکا عجیب بن گئے کتنے ادیب — خامۂ معجز نما کی تھی یہ روشن مثال

[1] مولانا کی آخری تمنا [2] اعظم گڑھ [3] تنقید

ذوقِ سخن تھا بلند، طرزِ ادا دل پسند — فکر رسا میں نہ تھا شائبۂ ابتذال

فقر و قناعت سے کی، اپنی بسر زندگی — آگے کسی کے بڑھا، اسکا نہ دستِ سوال

صبر کا ہے یہ محل، اے دلِ مضطر سنبھل — شور و فغاں ہے حرام گریۂ حسرت حلال

"اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا" — یعنی ہر اوج کمال کو ہے مقدر زوال

سالِ وفات اے ولیؔ، لکھ دو بخطِ جلی

دل سے بہ آہِ حزیں، "مردِ فرشتہ خصال"

۱۹۵۰ + ۶

۱۹۵۶

قطعۂ تاریخ ارتحال مولانا عبد السلام ندوی

ازجناب عطا کاکوی پروفیسر پٹنہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ

رخت ہستی از جہاں بربست آں عبد السلام — کز خُمِ تصنیف او صد رند صہبا نوش بود

صاحب "اقبال کامل" "نقد سنجِ شعر ہند" — از وجودش مجلسِ علم و ادب پُر جوش بود

از نوائے ساز او صد انجمن در ہا و ہُو — از صدائے جام او گلبانگ نوشا نوش بود

قصرِ علم و فن ہمہ تاریک شد از مرگ او

حسرتا و احسرتا۔ "شمع ادب خاموش بود"

۱۳۷۶ھ

قطعات تاریخ

ازجناب قاضی معراج حسین صاحب معراج دھولپوری

(۱)

ہوکے رخصت مولوی عبد السلام — اک جہاں کو کر گئے وقفِ الم

سن بہ ہجری، دل حزیں معراج لکھ — اوج کوکب سبزۂ باغِ ارم

۷۶ ہجری کا ۱۳

(۲)

چل دیے احباب کی محفل سے آج
حسن منزل، نیک باطن، خوش کلام

عیسوی میں سال اے معراؔج لکھ
خوش جہاں ماہ بہشت عبد السلام

۵۶ عیسوی ۱۹

(۳)

چل بسے بزم جہاں سے مولوی عبدالسلام
ہو گئے دل رنج فرقت سے دو نیم

سن مسیحی خامۂ معراؔج لکھ
نور دوراں داخل خلد نعیم

۵۶ عیسوی ۱۹

(۴)

کر گئے دنیا کو وقفِ اضطراب
رونق ہندوستاں عبدالسلام

لکھ ہلالی سال میں معراؔج زار
نیک ہیں خلد آشیاں عبدالسلام

۷۶ ہجری ۱۳

تاریخی مادے

ایضاً

فرشتہ تمثال

۱۹۵۶ء

مواج طینت مصنف "شعر الہند" کی وفات

۱۹۵۶ء

بسم اللہ الغنی المولیٰ

۱۳۷۶ھ

ھوالغفار الحبیب

۱۳۷۶ھ

برگزیدہ اطوار ہندوستانی فاضل

۱۹۵۶ء

عوالی مرتبت، مرجع الانام، محبوب جہاں مرد

۱۹۵۶ء

رفعت پناہ مشہور ادیب

۱۳۷۶ھ

شیریں گفتار قابل قدر، محقق

۱۹۵۶ء

دیں پناہ فیض، بلند پایہ مصنف

۱۳۷۶ھ

افتخار مآب ملک مولانا عبد السلام ندوی چل بسے!!

۱۹۵۶ء

مطبوعات جدیدہ

سید احمد شہید - مولفہ غلام رسول صاحب مہر، تقطیع بڑی، ضخامت ۹۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ: کتاب منزل لاہور۔

اسلامی ہند کی ہزار سالہ تاریخ میں، تجدید دین، احیاے ملت اور اسلامی شوکت کے زوال کے بعد دوبارہ اس کے قیام کی سب سے زیادہ انقلاب انگیز دعوت اور سرفروشانہ جد وجہد مجاہد کبیر سید احمد شہید بریلوی کی تھی، اس مقدس دعوت کا خاتمہ اگرچہ بظاہر ناکامی پر ہوا، مگر اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو خدا کی راہ میں جانبازی کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا، اور بہت سے مردہ دلوں کو دینی روح سے معمور کر دیا، اور آج اس ظلمتکدہ میں اس کی جو کرن بھی نظر آتی ہے وہ اسی مقدس دعوت کا فیض ہے، اس حیثیت سے اس کو ناکام نہیں کہا جا سکتا، اس جہاد کبیر کے حالات میں پرانے طرز کی متعدد کتابیں موجود ہیں، مگر وہ موجودہ مذاق کی نہیں اور ان میں مختلف قسم کی خامیاں ہیں، اس لیے آج سے چند سال پہلے اس دودمان عالی کے گوہر شب چراغ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد شہید کے نام سے ایک محققانہ کتاب لکھی تھی، جو بہت مقبول ہوئی، مگر اس دعوت پر اتنا زمانہ گذر چکا ہے اور اس پر اتنے حجاب پڑے ہوئے ہیں کہ اب بھی اس کے بہت سے گوشے تشنۂ تحقیق تھے، اور ایک ایسی جامع کتاب کی ضرورت باقی تھی جو ہر پہلو سے مکمل ہو، یہ اہم کام جناب غلام رسول صاحب مہر کے ہاتھوں انجام پایا، جو اس میدان کے پرانے شہسوار اور ایک پختہ کار مصنف و اہل قلم ہیں اور دینی حرارت، اور تجدید دین کا

جذبہ بھی رکھتے ہیں، چنانچہ انھوں نے ایک ناقد مورخ کے قلم اور ایک مجاہد کے جذبہ سے یہ کتاب لکھی ہے، اور اس کی تالیف میں ہر ممکن الحصول ماخذ سے فائدہ اٹھایا ہے، صوبہ سرحد میں جہاد کے میدانوں اور شہدء بالاکوٹ کے کوہستانوں میں جاکر ایک ایک مقام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور پرانے مقامات کی تحقیق کی ہے، اس تلاش و تحقیق سے تقریباً بیس سال میں یہ ضخیم کتاب مرتب ہوئی ہے، اس پر تفصیلی تبصرہ طویل ہوگا جس کی ان محدود صفحات میں گنجایش نہیں ہے، پوری کتاب دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد ۴۳۱ صفحات اور ۳۹ ابواب اور دوسری ۴۶۱ صفحات اور ۴۶ ابواب پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں حضرت شہید کے خاندانی و ذاتی حالات، دعوتِ تجدید و اصلاح، سفر حج اور صوبہ سرحد میں دعوت جہاد اور بعض ابتدائی لڑائیوں، اور دوسری جلد میں ہزارے کی مشہور جنگ سے لیکر شہادت تک کے واقعات اور محاربات کی پوری تفصیل ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اسکی جامعیت، تحقیق اور نقطہ نظر کی صحت ہے، ایک ایک واقعہ کو جزوی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، خصوصاً اسماء و اعلام کی تحقیق میں، جو محنت کی ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جن کو اس قسم کے کام کا تجربہ ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کتاب محض ایک تاریخی سرگذشت نہیں، بلکہ مسلمانوں کے لیے درس عمل بھی ہے، انداز بیان نہایت موثر و دلنشین ہے، ادب و انشا، کی چاشنی اور برمحل اشعار نے تحریر کے لطف کو اور دوبالا کر دیا ہے، غرض یہ کتاب ہر حیثیت سے مکمل اور اس لائق ہے کہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان اس کا مطالعہ کرے،

معارف القرآن

از جناب مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، تقطیع بڑی ضخامت ۱۲۴ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر، پتہ حجاز اسٹور، صابو صدیق مسافرخانہ کرناک روڈ بمبئی نمبر ۱

لائق مولف علمی و دینی حلقہ کے لیے اجنبی نہیں ہیں، ان کے مذہبی و تاریخی مضامین البلاغ بمبئی اور بعض دوسرے اخبارات و رسائل میں برابر نکلتے رہتے ہیں، اب انھوں نے معارف القرآن کے نام سے

یہ مفید کتاب لکھی ہے، مسلمانوں کے دینی خسران اور دنیاوی پستی دونوں کا سبب یہ ہے کہ وہ عقائد و اعمال میں قرآنی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں، معارف القرآن کا مقصد اس کی اصلاح ہے، چنانچہ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت، کتاب اللہ اور صحیح دینی زندگی کے متعلق آیاتِ قرآنی کو ترتیب کے ساتھ جمع کرکے ان کی تشریح کی گئی ہے جس سے ان کی ضرورت و اہمیت، ان کے حکم و مصالح کے ساتھ دنیا و آخرت میں ان پر ایمان و عمل اور صحیح اسلامی زندگی کے فوائد و ثمرات بھی نمایاں ہو جاتے ہیں، اور یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر مسلمان ان قرآنی احکام و تعلیمات کو لائحہ عمل بنا لیں، اور اپنی زندگی کو صحیح اسلامی قالب میں ڈھال لیں تو دنیا و آخرت دونوں میں ان کو فوز و فلاح ہوگی، ان تشریحات میں مسلمانوں کے موجودہ حالات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس لیے یہ کتاب انکے موجودہ مشکلات کے حل کے لیے بھی مفید ہے۔

انسانیت حیوانیت کی راہ پر

از جناب منشی عبدالرحمن صاحب، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۰۴ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ ادارہ نشر المعارف، چہلیک، ملتان،

یورپ کی تہذیب خالص مادی ہے، اس کو اخلاق و روحانیت اور خدا کے خوف اور آخرت کے مواخذہ سے کوئی علاقہ نہیں، اور اس کا مقصد بغیر کسی قید کے دنیاوی تعیشات سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی ہے، اس آزادی نے یورپ کی قوموں کو ہوا و ہوس اور نفس پرستی میں اس قدر غرق کر دیا ہے کہ بعض پہلوؤں سے ان کی زندگی حیوانیت کی حد تک پہنچ گئی ہے، جس کے واقعات خود یورپ کے اخبارات اور رسائل میں نکلتے رہتے ہیں، اور یورپ کے ان مفکرین کو جن میں کچھ بھی اخلاقی احساس باقی ہے، اس کا اعتراف ہے اور وہ اس پر تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں، یورپی تہذیب کے اس مکروہ رخ کو اکثر صدقِ جدید بے نقاب کرتا رہتا ہے، اب منشی عبدالرحمن صاحب نے ان حیوانی واقعات کو صدق جدید، دوسرے اخبارات و رسائل اور یورپین مصنفین کی کتابوں سے لیکر مختلف سرخیوں کے ماتحت اس کتاب میں جمع کر دیا ہے،

اور اس کے اثرات ہند و پاکستان میں بھی دکھائے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں یورپی تہذیب کے مکروہ خط و خال نظر آجاتے ہیں، اور ہندوستان و پاکستان کے باشندے اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں،

نورانی جہیز ۔ مرتبہ جناب محی الدین صاحب منیری تقطیع اوسط ضخامت ۸۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ ار پتہ: حجاز اسٹور صابو صدیق مسافر خانہ کرنا ک روڈ بمبئی ۳

ایک شریف لڑکی کے لیے سب سے بہتر جہیز خود اس کے اخلاق حمیدہ ہیں جس کے ذریعہ وہ نہ صرف سسرال بلکہ دنیا اور آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل کر سکتی ہے، مرتب کتاب جناب محی الدین صاحب منیری نے اپنی لڑکی کی شادی کے موقع پر مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم اور صوفی عبد الرب صاحب ایم اے سے لڑکی کے لیے پند و نصائح کی درخواست کی تھی، ان بزرگوں نے جو نصائح لکھکر بھیجے تھے وہ ایک مفید درس کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کو کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے ایک خطبہ کو بھی جو انھوں نے اپنی بڑی صاحبزادی کے نکاح کے موقع پر پڑھا تھا اور مفید نصائح پر مشتمل تھا، اس میں شامل کر دیا ہے، یہ خطبہ صدق میں بھی شائع ہوا تھا، اس طرح یہ کتاب مسلمان لڑکیوں کے لیے دینی و دنیاوی نصائح کا بہت اچھا مجموعہ ہے، اور اس لائق ہے کہ ہر مسلمان لڑکی کو اس کی تعلیم دی جائے اور رخصتی کے وقت اس نورانی جہیز کو اس کے ساتھ کیا جائے۔

اسلامی روایات ۔ از جناب محمد حفیظ اللہ صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۷۱ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ مسلم اکیڈمی، پھلواری شریف، ضلع پٹنہ،

یہ کتاب مؤلف کی پرانی تالیف ہے، اب اسکا تیسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور مسلمان خلفا و سلاطین کے سبق آموز اخلاقی واقعات مستند کتابوں سے لیکر جمع کیے گئے ہیں، یہ واقعات اخلاقیات کے مختلف پہلوؤں سے تعلق ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیرووں میں کتنا اخلاقی انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ اسکے سلاطین تک اخلاق فاضلہ سے کسقدر آراستہ تھے، کتاب مفید اور سبق آموز ہے۔

"م"

سنہ ۱۳۷۶ھ

جلد ۷۸ ۔ ماہ ربیع الثانی و جمادی الاول مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۵۶ء ۔ نمبر ۶

مضامین

مقالات

استفسار و جواب

ادبیات